ایضاح النوادر
اس کتاب میں عصر حاضر کے جدید ترین موضوعات پر مسائل کی تحقیق
پیش کی گئی ہے
1
تجارت
انشورنس کا حکم
زکوۃ
ایکسپورٹ
مسلم فنڈ اور
مصرف زکوۃ
امپورٹ
غیر سودی بینک کاری
فی سبیل اللہ
شیئرز
غیر اسلامی ممالک میں اسلامی نظام قضاء
مفتی شبیر احمد قاسمی
مکتبہ علمیہ سہارنپور یوپی

ایضاح النوادر کامل

جس میں

عصر حاضر کے جدید ترین پانچ موضوعات

پر مسائل کی تحقیق پیش کی گئی ہے

- تجارت ایکسپورٹ، امپورٹ، شیرز۔
- انشورنش کا حکم۔ مسلم فنڈ اور غیر سودی بینک کاری۔
- زکوٰۃ، مصرف زکوٰۃ، فی سبیل اللہ
- غیر اسلامی ممالک میں اسلامی نظام قضاء

مؤلف

شبیر احمد قاسمی

مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

ناشر

مکتبۃ الاصلاح محلہ لال باغ مراداباد

صدر

انتساب

خاکسار اپنی اس محنت اور علمی کاوش کے مجموعہ کو اپنے والد مرحوم مغفور جو ملک برما جہاں اس نااہل کی پیدائش ہوئی تھی "میانجاپور" مدرسہ کے قریب ققیتنگ پہاڑی میں مدفون ہیں اور والدہ ماجدہ جو اس وقت مکۃ المکرمہ میں مقیم ہیں، دونوں کی طرف منسوب کرنا اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہے، جنھوں نے اس ناکارہ کی اپنی آغوش تربیت میں پرورش فرمائی ہے۔

نیز یہ علمی تحفہ مادر علمی ازہر الہند دارالعلوم دیوبند کی آغوش تربیت کا ثمرہ اور جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کا مرہون منت ہے۔ لہذا ان دونوں اداروں کی طرف منسوب کرنا بھی باعث سعادت سمجھتا ہے۔

شبیر احمد عفا اللہ عنہ ۲۶ جمادی الاولی ۱۴۱۴ھ

سن اشاعت ــــــــــ جمادی الثانیہ ۱۴۱۴ھ

نام کتاب ــــــــــ ایضاح النوادر

مؤلف ــــــــــ مولانا مفتی شبیر احمد صاحب

کتابت ــــــــــ محمد یوسف صاحب وصدر الدین صاحب

قیمت :- کامل ر ۵۰

فہرست مضامین حصہ اوّل

انشورنس کا شرعی حکم ۱۲۷

تصدیق عارف باللہ حضرت اقدس مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم ؛ حامداً ومصلیاً ومسلماً ۔ جناب مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی سلمہ کے مقالات کا مجموعہ ایضاح النوادر کے اکثر مقامات کا مطالعہ کیا ۔ ماشاء اللہ بہت مفید ہے ۔ ان مسائل کی توضیح ضروری تھی ۔ اللہ پاک نے موصوف سے یہ اہم کام لیا ہے ۔ احقر کا علم درسیات اور ان کے متعلقات تک محدود ہے جناب مولانا مفتی نظام الدین صاحب اور جناب مولانا ریاست علی صاحب اور محترم قاضی اطہر صاحب مبارکپوری کی توثیق کے بعد تصدیق کی ضرورت بھی نہیں تھی ۔ اللہ پاک مفتی صاحب موصوف کی سعی کو قبول فرمائے اور سب کے لئے نافع بنائے ۔ آمین ۔ احقر صدیق احمد غفرلہٗ خادم جامعہ عربیہ ہتورا باندہ

تصدیق حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب دامت برکاتہم خلیفہ حضرت شاہ وصی اللہ قدس سرہٗ ومفتی دار العلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ ۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ۔ بعدہٗ ، کتاب ایضاح النوادر کا بعض حصہ حرفاً حرفاً پورا سنا اور جابجا اپنی حیثیت کے مطابق کچھ مشورے بھی دئے ۔ مثلاً تجارت کا مضمون پورا دیکھا اور اس کے بعد کے عنوانات (مصرف زکوٰۃ اور فی سبیل اللہ کا مصداق اور رسالہ غیر اسلامی ممالک میں اسلامی نظام قضا اور رسالہ مسلم فنڈ اور غیر سودی بینک کاری اور رسالہ انشورنس کا شرعی حکم) کے اہم اہم

مقامات کو سنکر حسب استطاعت مشورے بھی دئے ۔ بہر حال یہ سب رسائل قابلِ اعتماد اور امت مسلمہ کے لئے انشاء اللہ مفید ثابت ہوں گے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی سعی کو سعی مشکور فرمائے اور اپنا قرب و رضا عطا فرمائے ۔ (آمین)

نوٹ : اگر یہ رسائل الگ الگ طبع ہوں تو احقر کی یہ تصدیق الگ الگ ہر رسالہ میں لگانے کی اجازت ہے ۔ فقط: العبد نظام الدین مفتی دارالعلوم دیوبند ۶؍۷؍۱۴۱۶ھ

حضرت اقدس مولانا ریاست علی صاحب دامت برکاتہم استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ حامداً و مصلیاً ۔ عصر حاضر کے چند جدید مسائل پر عزیز محترم مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی زید مجدہ (مفتی مدرسہ شاہی مراد آباد) کے چند مقالات پیش نظر ہیں جو ایضاح النوادر کے نام سے یکجا اور مختلف ناموں سے علیحدہ علیحدہ طبع کئے جا رہے ہیں ۔ راقم الحروف نے ان مقالات کو بالاستیعاب پڑھا ہے بلکہ ان سے استفادہ کیا ہے ۔ چند مستند ارباب افتاء کی نظر سے یہ تمام رسائل گذر بھی چکے ہیں مطالعہ کے دوران یہ محسوس کیا ہے کہ محترم مقالہ نگار نے جو موقف بھی اختیار کیا ہے اس کو انھوں نے پوری قوت کے ساتھ مدلل کر دیا ہے ہر جگہ نصوص کے حوالہ دیئے ہیں اور مجھ جیسے کوتاہ نظر انسان کے لئے ان دلائل میں تشفی کا سامان ہے ۔

دعا ہے کہ پروردگار عالم موصوف محترم کی ان علمی کاوشوں کو مفید اور مقبول فرمائے اور ان کو بیش از بیش علمی خدمات کی توفیق ارزانی کرے ۔ آمین ۔

ریاست علی بجنوری غفرلہٗ ۔ خادم تدریس دارالعلوم دیوبند ۔

تصدیق حضرت اقدس مولانا نعمت اللہ صاحب دامت برکاتہم استاذ حدیث دار العلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ۔ اما بعد ۔

میں نے مولانا شبیر احمد صاحب قاسمی مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کی تالیف کردہ ایضاح النوادر کو بہت سی جگہوں سے دیکھا جس میں مؤلف محترم نے مسائل کو بہتر ترتیب سے جمع کیا ہے اور تمام مسائل کے دلائل بھی اس طرح قلمبند کئے گئے ہیں جس سے پڑھنے والے کو تشفی ہو جاتی ہے ۔ ممدوح اس سے پہلے بھی متعدد رسائل اور کتابوں کو مرتب کر چکے ہیں جنہیں اہل علم نے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے اور مؤلف محترم کو داد تحسین سے نوازا ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو مفید اور نفع بخش بنائے اور قبول عام عطا فرمائے ۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز ۔ نعمت اللہ دار العلوم دیوبند ۵؍۱؍۱۴۱۳ھ

تقریظ عصر حاضر کے مشہور مصنف حضرت اقدس مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ حامداً ومصلیاً ۔ پیش نظر کتاب ایضاح النوادر ایسے چند مستند و معتبر مضامین کا مجموعہ ہے جو جدید حالات کے اہم ترین معاملات و مسائل سے تعلق رکھتے ہیں بلاشبہ یہ مضامین وقت کے تقاضوں کو بوجوہ احسن واتم پورا کرتے ہیں میں نے کلی یا جزئی طریقہ پر ان کو پڑھا اور ان سے استفادہ کیا ہے حقیقت یہ کہ عزیز گرامی مولانا مفتی شبیر احمد صاحب کی فقیہانہ بصیرت اور علمی وتحقیقی کاوشوں نے ایک مستند دستاویزات کا مجموعہ تیار کر دیا ہے ہر مضمون علم وتحقیق کا شاہکار اور اپنے موضوع کا مدلل و مستند آئینہ دار ہے اللہ تعالیٰ مصنف موصوف کو جزائے خیر اور خدمت دین کی مزید توفیق عطا فرمائے ۔ امید ہے کہ انکی دوسری کتابوں کی طرح اس کتاب کو بھی قبول عام وتام ہوگا ۔ قاضی اطہر مبارکپوری

۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ

تصدیق مولانا مفتی محمد سلمان صاحب نائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ - حامداً ومصلیاً ومسلماً -

امابعد - احقر نے حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی دامت برکاتہم کی تالیف "ایضاح النوادر" کا جستہ جستہ مقامات پر مطالعہ کیا۔ یہ ان قیمتی مسائل کا مجموعہ ہے جو موصوف نے مختلف مناسبتوں سے جدید ترین فقہی مسائل سے متعلق تحریر فرمائے ہیں، ان تحریروں میں بحث وتحقیق اور دقتِ نظر کا پہلو جابجا نمایاں ہے جس سے فاضل مؤلف کی فقہی بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔ اس بامقصد اور زریں تالیف کی اشاعت پر احقر موصوف کو تہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہے۔ اور بارگاہِ ایزدی میں دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی محنت کو قبول فرمائے اور خواص وعوام کے لئے اس مجموعہ کو بیش از بیش نافع بنائے آمین۔

فقط، احقر محمد سلمان منصورپوری مدرسہ شاہی مرادآباد، یکم جمادی الثانیہ ۱۴۱۲ھ

الحمد للہ الذی یؤتی الحکمۃ من یشاء ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیراکثیرا والصلوٰۃ والسلام علی نور الہدایۃ والحکمۃ ،

امّا بعد : اس خاکسار نے فن حدیث میں مسلک حنفی کی مشہور ترین کتاب طحاوی شریف کی اردو شرح کا سلسلہ رب کریم کے بیکراں فضل و عنایت سے شروع کر رکھا ہے اس کی اب تک دو جلدیں شائع بھی ہو چکی ہیں، نیز پاکستان میں بھی یہ کتاب شائع ہو گئی ہے اور تیسری جلد کی تیاری میں لگا ہوا ہے ۔ ناظرین سے درخواست ہے کہ اس کی تکمیل کیلئے دلی دعا فرمائیں ۔ مگر درمیان میں عام لوگوں کی آسانی کے لیے تین سو تیرہ مسائل پر مشتمل ایک کتاب بنام ایضاح المسائل لکھی گئی الحمد للہ وہ کتاب بھی دو سال کے درمیان چار مرتبہ چھپ چکی ہے ۔ پھر اسی اثناء میں چند جدید اور مشکل مسائل پر کئی مرتبہ علماء ہند کا اجتماع ہوتا رہا ہے ۔ تو مناسب معلوم ہوا کہ ایسے مسائل اگر کتابی شکل میں مرتب ہو جائیں تو اچھا ہے ۔ چنانچہ دور حاضر میں پیش آنے والے مشکل ترین نادر مسائل مثلاً ایکسپورٹ، امپورٹ، دارالاسلام، دارالحرب کمپنی کے شیئرز باغات و زمینیں، اعضاء انسانی کی پیوندکاری، دو ملکوں کی کرنسی، انشورنس، مسلم فنڈ، زکوٰۃ اور فی سبیل اللہ، غیر اسلامی ممالک میں اسلامی نظام قضاء وغیرہ کے اہم موضوعات

پر مدلل طور پر حسب استطاعت تحقیق کی کوشش کی گئی ہے۔ اب یہ رسالہ خدائے علیم و کریم کے فضل سے مرتب ہو کر حضرات ناظرین کی خدمت میں "ایضاح النوادر" کے نام سے دو حصوں میں پیش کیا جا رہا ہے۔

ناظرین کرام سے گذارش ہے کہ اگر کوئی غلطی نظر آجائے تو از راہ کرم اس خاکسار کو مطلع فرمادیں۔

اے اللہ اپنے فضل و کرم سے اس کو قبول فرما۔ یا رافع الدرجات یا دافع البلیات یا حلال المشکلات یا مجیب الدعوات یا ارحم الراحمین

ہر کہ خواند بعد از من این کتاب پاک را

از دعا خیر ساز د بندۂ ناپاک را

شبیر احمد عفا اللہ عنہ ۲۰ جمادی الثانیہ ۱۴۱۲ھ

سے رسالہ تجارت (ایکسپورٹ اور امپورٹ) میں جو نئی نئی تجارتی اصطلاحات آگئی ہیں۔ ان کے متعلق یورپ و امریکہ میں مال ایکسپورٹ کرنے والے اور وہاں کے تجارتی سفر کرنے والے تجربہ کار تاجروں کی پانچ مرتبہ میٹنگ کی گئی ہے اور اپنا لکھا ہوا میٹنگ میں سنا کر بحث و تمحیص کر کے اطمینان کے بعد لکھا گیا ہے خاص طور پر حسب ذیل ایکسپورٹروں سے زیادہ تبادلۂ خیال کیا جا چکا ہے۔ جناب مولانا محمد سالم صاحب، جناب مولانا محمد میثاق صاحب قاسمی ٹریڈنگ کارپوریشن۔ حاجی ولی الرحمن برادرس۔ حاجی اکرام باری صاحب اکرام الحق صاحب، حاجی عبید الرحمن واحد سنس، حاجی اختر و اکرم پیرا ماؤنٹ، حاجی انوار، حاجی صابر صاحب شاہ زماں صاحب، وصف الہی صاحب۔ یہ سب ایشیا کی مشہور صنعتی اور تجارتی شہر مرادآباد کے اہم اور تجربہ کار ایکسپورٹر حضرات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ الذی بیّن علینا الحلال والحرام ونجّانا عن الخبائث بالطیبات وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر البریّۃ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم تسلیماً کثیراً۔ امّا بعد!

پاکیزہ کمائی اور تجارت کی فضیلت

حضرت علّامہ اصبہانی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ پاک کمائی تاجروں کی کمائی ہے لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ جب بات کریں تو جھوٹ نہ بولیں اور جب وعدہ کریں تو وعدہ خلافی نہ کریں، اور جب اُن کے پاس کوئی امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت نہ کریں۔ اور جب کوئی سامان کسی سے خریدیں۔ تو تاجروں کی عادت کے مطابق اس سامان کو بُرا اور خراب نہ بتائیں اور جب اپنا سامان فروخت کریں تو واقعہ کے خلاف اس کی تعریف نہ کریں اور جب اُن کے ذمہ کسی کا قرض ہو تو ٹلائیں نہیں، اور جب اُن کا قرض کسی کے ذمہ ہو تو اس کو تنگ نہ کریں[1]

تجارت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سنّت ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے باقاعدہ قافلے کے ساتھ تجارت کی غرض سے بصریٰ کا سفر فرمایا ہے۔ مسند امام احمد بن حنبل میں صدیقی تجارت کو ان الفاظ سے نقل فرمایا گیا ہے۔

---

[1] معارف القرآن سورۃ نساء تحت آیت ۲۹

عن ام سلمۃ ان ابا بکر خرج تاجرًا الیٰ بصریٰ ومعہ نعیمان و سویبط بن حرملۃ وکلاھما بدری۔ الحدیث[۱]

حضرت ام سلمہ سے مروی ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے تجارت کے لئے شہر بصریٰ کا سفر فرمایا ہے۔ اور آپکے ساتھ دو بدری صحابی حضرت نعیمانؓ اور سویبطؓ تھے۔

نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سچا امانت دار تاجر جنت میں انبیاء اور صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

اور امام ترمذیؒ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں۔

عن ابی سعید الخدریؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشہداء۔ الحدیث۔[۲]

حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ سچا امانتدار تاجر انبیاء اور صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

اور ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تاجروں میں سب سے بہترین اور پسندیدہ تاجر وہ ہے جس کی ادائیگی اچھی ہو اور طلب بھی اچھی ہو۔ یعنی اگر اس پر کسی کا حق ہو تو اس کو پریشان کئے بغیر بہت اچھے انداز سے ادا کر دیتا ہے، اور اگر اس کا کوئی حق دوسرے پر ہو تو اس کو وصول کرنے میں شدت کا طریقہ اختیار نہیں کرتا بلکہ اس کے عذر کی رعایت

---

[۱] مسند امام احمد بن حنبل ص ۳۱۶ ج ۶ [۲] ترمذی شریف ص ۱۴۵ ج ۱، ترمذی مع العرف الشذی ص ۲۲۹ ج ۱،

کرتے ہوئے اخلاق سے پیش آتا ہے۔ اور بدترین تاجر وہ ہے جس کی ادائگی اور طلب دونوں بُری ہوں۔ یعنی جب اس پر کسی کا حق ہو تو اس کو ادا کرنے میں بلا کسی شدید عذر کے ٹال مٹول کرتا ہے اور دسیوں چکر لگواتا ہے۔ اور اگر کسی دوسرے پر اس کا حق ہو تو اس کا عذر نہیں دیکھتا، اور اپنا حق وصول کرنے میں ذرا سی تاخیر ہو جائے تو برداشت سے باہر ہو جاتا ہے، اور بد اخلاقی سے پیش آیا کرتا ہے۔ اور اس بات کے ثبوت کے لئے مسند امام احمد بن حنبل کی ایک لمبی حدیث کا مختصر ٹکڑا یہاں پر پیش کیا جاتا ہے۔

الا انّ خیر التجار من کان حسن القضاء حسن الطلب وشرّ التجار من کان سیّئ القضاء سیّئ الطلب الحدیث ا۔ ۱	خبردار بیشک بہترین تاجر وہ ہے جس کی اَدائگی و طلب دونوں اچھی ہوں، اور بدترین تاجر وہ ہے جس کی ادائگی اور طلب دونوں بُری ہوں۔

ایکسپورٹ وامپورٹ

ایکسپورٹ مال برآمد کرنے کو کہا جاتا ہے اور امپورٹ مال درآمد کرنے کو کہا جاتا ہے۔ جب بیرونِ ملک مال بھیجنے کے لئے ایکسپورٹر کوئی فرم یا کمپنی وغیرہ قائم کرتا ہے تو انڈین قانون کے مطابق اس کے لئے اس کاروبار کا رجسٹریشن کرانا منجانب سرکار ضروری و لازم ہوتا ہے۔ اور اسی طرح بیرونِ

---

۱ مسند امام احمد بن حنبل ص ۱۹/۴۲۷

ملک سے مال درآمد کرنے کے لئے امپورٹر کوئی کمپنی یا فرم قائم کرتا ہے تو اس کے لئے بھی اپنے کاروبار کا رجسٹریشن کرانا قانوناً لازم ہوتا ہے، اور اس قانون میں ہر قوم آزادی اور پابندی میں برابر درجہ کی شامل ہوتی ہے۔ کسی خاص قوم کے لئے کوئی خاص رعایت نہیں ہوتی ہے۔

فرم و کمپنی کو منظور کرانے کے لئے فکسڈ ڈپازٹ

سوال یہ کیا جاتا ہے کہ فرم یا کمپنی کو منظور کرانے کے لئے قانوناً ایک معینہ رقم کا فکسڈ ڈپازٹ کرانا لازم ہے۔ یہ سوال صحیح و درست نہیں ہے۔ بلکہ بغیر فکسڈ ڈپازٹ کرائے منظور ہوجاتی ہے۔ اس لئے کہ ایشیاء کی تجارتی و صنعتی منڈی مرادآباد اور دیگر تجارتی و صنعتی شہروں میں لاتعداد تاجروں کی تجارت اور کاروبار بغیر فکسڈ ڈپازٹ کرائے منظور ہوکر چل رہا ہے۔ ہاں البتہ بینک تاجروں کو یہ ترغیب ضرور دیا کرتا ہے کہ اگر آپ فکسڈ ڈپازٹ کرائیں گے تو آپ کو فلاں سہولت مل سکتی ہے اور فلاں فائدہ آپ کو پہونچ سکتا ہے۔ تو اس پر تاجر از خود حرص اور لالچ میں آکر ڈپازٹ کراتا ہے۔ اس لئے فرم و کمپنی وغیرہ قائم کرنے کے لئے فکسڈ ڈپازٹ کرانا جائز نہیں ہوسکتا۔ اور راقم الحروف نے یہ بات حکومت اترپردیش کے قانون کی رُو سے لکھی ہے۔ کسی دوسری حکومت میں اگر قانوناً ڈپازٹ کرانا لازم ہے تو راقم کی تحریر کا تعلق اس سے نہیں ہے۔

فرم یا کمپنی کی منظوری کے لئے افسران کو رشوت

یہ سوال بھی بڑے معقول انداز سے کیا جاتا ہے کہ کمپنی یا فرم اور دیگر کاروبار کی منظوری کے لئے افسران کو رشوت دینا لازم ہوتا ہے، اس کے بغیر منظور نہیں ہوتا راقم الحروف نے اس سلسلہ میں ایشیار کی عظیم ترین منڈی مرادآباد کے مختلف تاجروں سے معلومات فراہم کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ منظور کرانے کے لئے کسی قسم کی رشوت دینے کی ضرورت نہیں ہوتی، ہاں البتہ اپنا کام جلد از جلد اور دوسروں سے پہلے کرانے کے لئے رشوت دی جاتی ہے، اور اگر رشوت بالکل نہ دی جائے تب بھی کام ہو جاتا ہے لیکن تاخیر سے ہوتا ہے۔ اور حضرات فقہار نے دفعِ ظلم کے لئے رشوت دینے کی اجازت دی ہے۔

دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه ومالہ ولاستخراج الحق لہ لیس برشوۃ یعنی فی حق الدافع[1]

یعنی ظالم بادشاہ کو اپنی جان ومال سے ظلم کو دُور کرنے کے لئے اور لازم شدہ حق لینے کے لئے مال دیدینا دینے والے کے حق میں رشوت اور گناہ نہیں ہے۔

اور ظاہر ہے کہ منظوری میں تاخیر ہو جانا شرعی طور پر ظلم کے دائرہ میں داخل نہیں ہے۔ لہٰذا کمپنی یا فرم وغیرہ کو منظور کرانے کے لئے افسران کو رشوت دینا جواز

---

[1] شامی کراچی ص ۴۲۳ ج ۶ -

کے دائرہ میں نہیں آسکتا، بلکہ پیغمبر کی لعنت کا وبال اس کی گردن پر پڑنے کا سخت خطرہ ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے اور لینے والے دونوں پر سخت ترین لعنت کی وعید پیش فرمائی ہے۔

عن عبد اللہ بن عمرو لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الراشی و المرتشی۔ الحدیث [۱]

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے اور لینے والے دونوں پر سخت لعنت فرمائی ہے۔

لہٰذا رشوت دینے والا خود اپنے بارے میں فیصلہ کرے کہ اس کی ضرورت کس حد تک ہے۔ کیا وہ ایسی شدید ضرورت اور ظلم میں مبتلا ہے کہ جس کے بہانہ سے لعنت کے وبال سے اپنے آپ کو بچا سکیگا؟

نمونہ دکھا کر عقد

اشیار کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ وہ اشیار جن کا نمونہ اور مثل پیش کیا جا سکتا ہو اور مثل اور نمونہ دیکھ کر بقیہ تمام مال کا آسانی کے ساتھ اندازہ لگایا جا سکتا ہو تو ایسے اموال کو شریعت میں ذوات الامثال اور مثلی اشیار سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور ایسی چیزوں کی خرید و فروخت میں بیچنے والے کے لئے صرف نمونہ دکھا کر اور خریدار کے لئے صرف نمونہ دیکھ کر معاملہ بیع طے کر لینا صحیح اور درست

---

[۱] ابو داؤد شریف ص ۵۰۴ ج ۲۔

ہوجاتا ہے، اور بوقت قبضہ خریدار کو خیار رویت بھی حاصل نہ ہوگا۔ ہاں البتہ اگر نمونہ کے خلاف کوئی مال خراب نکل آئے تو خیار عیب کی بنا پر خراب مال واپس کرنے کا حق حاصل ہوسکتا ہے۔ اور گیہوں، چاول و دیگر غلہ اور لوہا، پیتل، اسٹیل، سیسہ، تانبا وغیرہ کے برتن، اور موزہ، جوتا، نکیل، تلوار، تیر اور دیگر ہتھیار وغیرہ سب مثلی اشیاء کے دائرہ میں داخل ہیں۔ ان سب چیزوں کا نمونہ دکھا کر معاملہ طے کرنا جائز اور درست ہوتا ہے۔ اور اسی طرح اس زمانہ کے مشین کے بنے ہوئے کپڑے بھی ذوات الامثال میں شامل ہیں۔

۲ وہ اشیاء جن کا نمونہ اور مثل پیش کرکے بقیہ کا صحیح طور پر اندازہ نہ لگایا جاسکتا ہو تو ایسی اشیاء کو شریعت میں ذوات القیم اور غیر مثلی کہا جاتا ہے، اور اس طرح کی اشیاء میں سے بعض کو دیکھ کر بقیہ کا معاملہ طے کرنا صحیح اور درست نہیں ہوتا ہے۔ اور جانوروں کے ریوڑ وغیرہ اسی ذوات القیم کے دائرہ میں داخل ہیں۔ اس لئے ایک جانور کو دیکھ کر بقیہ کا معاملہ طے کرنا جائز نہیں ہے۔ اور شامی، ہدایہ، زیلعی وغیرہ کی عبارات سے یہ مسئلہ خوب اچھی طرح واضح ہوسکتا ہے۔ جو درج ذیل ہیں۔

وکان ینبغی ان یکون مثل الحنطۃ والشعیر لکونہا متقاربۃ۔ ؎۱

اور مناسب یہی ہے کہ نمونہ دکھا کر معاملہ کرنے کی چیز گیہوں اور جو جیسی مثلی اور متقارب الاعداد اشیاء ہوں۔

؎۱ ہدایہ ص ۲۱ ج ۳

ولو دخل فی المبیع اشیاء فان کان لاتتفاوت احادہ کالمکیل والموزون وعلامتہ ان یعرض بالنموزج یکتفی بروئیۃ بعضہ لجریان العادۃ بالاکتفاء بالبعض فی الجنس الواحد ولو قوع العلم بہ بالباقی الا اذا کان الباقی اردء فیکون لہ الخیار فیہ۔ [1]

اگر شئی مبیع میں متعدد اشیاء داخل ہوجائیں تو اگر اس کے افراد مختلف نہ ہوں بلکہ سب یکساں ہوں جیسا کہ کیلی اور وزنی اشیاء ہیں اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس کا نمونہ پیش کیا جاسکتا ہو تو بعض کو دیکھ لینے سے کافی ہوجاتا ہے۔ ایک جنس کی اشیاء میں بعض کو دیکھنے پر اکتفاء کرنے کی عادت جاری ہونے اور اس سے بقیہ کا علم ہوجانے کی وجہ سے، مگر یہ کہ نمونہ کے مقابلہ میں بقیہ مال ردّی اور خراب ہو تو خریدار کو واپس کرنے کا اختیار ہوگا۔

وفی الشامیۃ یکون لہ الخیار ای خیار العیب لاخیار الرؤیۃ۔ [2]

اور شامی میں ہے کہ واپس کرنے کا جو اختیار اس کو حاصل ہوجاتا ہے وہ خیارِ رویت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ خیارِ عیب کی وجہ سے ہے۔

وفی الزیلعی وان کان احادہ تتفاوت وھو الذی لایباع بالنموذج کالثیاب والدواب والعبید فلابد من رؤیۃ کل واحد افرادہ لانہ بروئیۃ بعضھا

اور زیلعی میں ہے کہ اگر اس کے افراد کی حیثیت مختلف ہو اور وہ ان اشیاء میں سے ہے جن کو نمونہ دکھا کر فروخت نہیں کیا جاتا ہے جیسا کہ متفاوت کپڑے اور جانور

---

[1] زیلعی ص۲۶ ج۴ هکذا ھدایہ ص۳۲ ج۳، شامی کراچی ص۵۹۵ ج۴ [2] شامی کراچی ص۵۹۶ ج۴،

لایقع العلم بالباقی للتفاوت۔ ؎۱ اور غلام وغیرہ ہیں ان میں سے ہر فرد کو دیکھنا لازم ہوتا ہے اس لئے کہ بعض کو دیکھنے سے باقی کا علم نہیں ہوتا ہے تفاوت کی وجہ سے۔

بیع سلم اور آرڈر کا معاملہ

بیع سلم اس کو کہا جاتا ہے کہ اس میں جس وقت عقد بیع کا معاملہ طے کیا جاتا ہے اسوقت بعینہٖ شیٔ مبیع موجود نہیں ہوا کرتی ہے، شیٔ کی قیمت فوراً ادا کر دی جاتی ہے مبیع کی ادائیگی کے لئے وقت مقرر کر دیا جاتا ہے، اور اس طرح کا معاملہ شرعی طور پر صحیح ہونے کے لئے آٹھ شرطیں لازم ہوا کرتی ہیں۔

۱۔ شیٔ مبیع کی جنس متعین ہو۔ مثلاً گیہوں، چاول، برتن، ہتھیار، گاڑی، مشین ڈیکوریشن وغیرہ۔

۲۔ نوع اور قسم متعین ہو۔ یعنی یہ بات طے کر لی جائے کہ کس کمپنی اور کہاں کا بنا ہوا سامان ہے، مرادآباد، کانپور، لکھنؤ، بمبئی، دلی، جاپان، برطانیہ، جہاں کا بھی تیار کیا ہوا ہو اس کی تعیین کر لینا لازم ہے۔

۳۔ مال کی صفت متعین کر لی جائے یعنی عمدہ کوالٹی کا ہوگا یا گھٹیا، اور ردی کوالٹی یا درمیانی کوالٹی، جو بھی ہو متعین کر لیا جائے۔

۴۔ مقدار اور وزن متعین کر لیا جائے یا سائز متعین کر لیا جائے۔

۵۔ ادائیگی کی مدت متعین کر لی جائے، کہ کتنے دنوں میں سامان یا غلہ ادا کیا جائے۔ ؎۲

؎۱ زیلعی ص۲۶ ج۴ ھکذا فی الہدایہ ص۲۱ ج۳ ؎۲ ہدایہ ص۶۹ ج۳۔

۶ ثمن کی مقدار اور صفت متعین کرلینا کہ ہندوستانی روپیہ ہوگا یا امریکی ڈالر یا پاؤنڈ یا ریال ہوگا اور کتنے روپے یا ڈالر وغیرہ ہوں گے۔

۷ راس المال یعنی سامان کی پوری رقم یا کچھ حصہ معاملہ طے کرتے وقت ادا کردینا۔[1]

۸ اس جگہ کا متعین کرنا جہاں پر شیٔ مبیع اور سامان مشتری یا اس کے وکیل کے قبضہ میں دینا ہے۔ مثلاً ایکسپورٹر دلی، بمبئی، مدراس، جرمن، فرانس، اسپین امریکہ وغیرہ میں سے جہاں پر امپورٹر (مشتری) یا اس کے وکیل اور ایجنسی کو مال حوالہ کریگا اس کی تعیین کرنا لازم ہے۔ ماشاء اللہ یہ ساری شرطیں اکثر تجارت اور ایکسپورٹ کرنے والوں میں پائی جاتی ہیں۔[2] اور شریعت میں اس طرح کا معاملہ اپنی شرائط کے ساتھ صحیح اور درست ہے۔

بیع استصناع اور آرڈر کی خاص قسم

بیع سلم ہی کی ایک قسم بیع استِصناع بھی ہے۔ اور استِصناع کی حقیقت اور معنی بنوانے کے ہیں۔ یعنی کسی چیز کے بنوانے کے لیے معاملہ طے کرکے آرڈر دینے کے ہیں۔ اور اس میں عام طور پر خریدی جانے والی اشیاء اور اُن کی قیمت (ثمن) دونوں اُدھار ہوا کرتی ہیں۔ اور سلم اور استِصناع میں فرق صرف اتنا ہے کہ

---

[1] ہدایہ ص۸۴ ج۳، بدائع ص۲۰۲ ج۵ [2] ہدایہ ص۹۷ ج۳، بدائع ص۲۰۱ ج۵، درمختار کراچی ص۲۱۴ ج۵۔

بیع سلم میں معاملہ طے کرتے وقت قیمت ادا کردینا لازم ہوتا ہے۔ اور بیع استصناع میں فوراً قیمت ادا کرنا ضروری نہیں۔ بلکہ جب خریدار کو مال مل جائے تب ادا کرنا لازم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ تمام وہ شرائط اس میں پہلے ہی طے کرلینا لازم ہوا کرتی ہیں جو بیع سلم میں لازم ہوتی ہیں۔ اور بیع استصناع ہر ایسی اشیاء میں جائز اور درست ہے جن میں لوگوں کے درمیان معاملہ کرنے کا رواج اور تعامل ہے۔ مثلاً تانبا، پیتل، کانچ، لوہا، اسٹیل، رانگ، چمڑے کپڑے وغیرہ کی اشیاء جنکا آرڈر سے بنواتے کا رواج ہے۔ اور اس مسئلہ کو فتاویٰ عالمگیری میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

الاستصناع جائز فی کل ما جری التعامل فیہ کالقلنسوۃ والخف والاوانی المتخذۃ من الصفرۃ والنحاس وما اشبہ ذٰلک استحسانًا۔ [1]

بیع استصناع ہر ایسی چیز میں جائز ہے جس میں لوگوں کا آپس میں معاملہ کرنیکا رواج ہے جیسے ٹوپی، موزہ، پیتل تانبا کے برتن وغیرہ ہیں، اور یہ استحساناً جائز ہے۔

آرڈر وعدہ نہیں بیع ہے

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مال بنوانے کے لئے طے شدہ شرائط کے مطابق جب آرڈر دیا جاتا ہے اسی وقت بیع منعقد ہو جاتی ہے یا یہ صرف وعدۂ بیع ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وعدۂ بیع نہیں ہے بلکہ نفس بیع ہے۔ مگر اس بیع میں دو درجے ہیں

درجہ ا:۔ شرائط واوصاف طے کر کے جس وقت معاملہ طے کیا جاتا ہے اسوقت اس بیع کی حیثیت خیار شرط کے ساتھ بیع کرنے کے درجے میں ہوتی ہے کہ کاریگر کام

[1] فتاوی عالمگیری ص۲۰۸ ج۳

شروع کرنے سے قبل جانبین میں سے ہر ایک کو رجوع کر کے معاملہ ختم کرنے کا اختیار رہے گا۔ **درجہ ۲:۔** کاریگر جب طے شدہ شرائط کے مطابق مال تیار کر کے آرڈر کنندہ کو پیش کر دے گا تو کاریگر کا خیار ختم ہو جائیگا۔ لہٰذا یہ معاملہ ابتداءً بیعِ جائز اور انتہاءً بیع لازم شمار ہو گی۔ حضرات فقہاء نے اس مسئلہ کو ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔

والصحیح انه یجوز بیعاً لا عدة والمعدوم قد یعتبر موجوداً حکماً[1]۔ وفی الشامیة ثم ینعقد عند الفراغ بیعاً بالتعاطی (وقوله) وحکمه الجواز دون اللزوم واما اذا احضره الصانع علی الصفة المشروطة سقط خیاره[2]	اور صحیح یہی ہے کہ آرڈر کا معاملہ عقد بیع ہے وعدۂ بیع نہیں ہے اور معدوم اشیاء پر موجود ہونے کا حکم لگ جاتا ہے۔ اور شامی میں ہے کہ پھر مال تیار ہونے کے وقت لین دین سے بیع تام ہو جاتی ہے۔ اور اس کا حکم جواز کا ہے لزوم کا نہیں اور جب کاریگر مال طے شدہ شرائط کے مطابق پیش کر دے گا تو اس کا اختیار ختم ہو جائیگا۔

مگر جب آرڈر کنندہ مال کو طے شدہ شرائط کے مطابق پالیگا تو اسکو رجوع کا حق نہ ہو گا۔ کیونکہ[3] بیع لازم ہو چکی ہے ورنہ مفضی الی المنازعة لازم آسکتا ہے۔

آرڈر سے معاملہ طے کرنے کا حاصل بحث

تاجر اور ایکسپورٹر جب کاریگر کو مال بنانے کیلئے آرڈر دیتا ہے، یا کاریگر اور

---

[1] ہدایہ ص۸۶ ج۳، شرح وقایہ ص۸۵ ج۳، درمختار کراچی ص۲۲۳ ج۵، [2] بدائع ص۳ ج۵۔ [3] شامی کراچی ص۲۲۴ ج۵۔

کارخانہ دار سے مال خریدنے کا معاملہ طے کرتا ہے تو اس میں صرف بیع استصناع کی شکل پیش آتی ہے۔ اور ایکسپورٹر جب امپورٹر کے پاس مال ارسال کرتا ہے اور اس میں جو معاملہ طے کرتا ہے اس میں کبھی بیع سلم کی شکل پیش آتی ہے اور کبھی بیع استصناع کی شکل پیش آتی ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک معاملہ مذکورہ تفصیل اور شرائط کے مطابق جائز اور درست ہے۔ اور آرڈر کے مطابق معاملہ طے ہو جانے کے بعد بغیر کسی شرعی اور شدید عذر کے فریقین میں سے کسی کو فسخ کرنے کا حق نہ ہوگا۔ لہٰذا آرڈر کے بعد کاریگر پر لازم ہے کہ طے شدہ شرائط کے مطابق مال تیار کرے، اور آرڈر دہندہ کے لئے درمیان میں معاملہ ختم کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔ لہٰذا اگر آرڈر کے مطابق کاریگر مال تیار کر کے پیش کر دے تو پوری قیمت ادا کر کے وصول کر لینا تاجر اور آرڈر دہندہ پر واجب ہے ورنہ گنہگار ہوگا۔ [۱]

فیجبر الصّانع علیٰ عملہ ولا یرجع الآمر عنہ۔ [۲]

کاریگر کو مال بنانے پر مجبور کیا جائے گا۔ اور آرڈر دینے والے کو اپنے معاملہ سے رجوع کرنے کا حق نہ ہوگا۔

خط وکتابت سے خرید و فروخت

اسلامی شریعت میں بوقتِ ضرورت خط وکتابت کے ذریعہ سے بھی خرید و فروخت کا معاملہ طے کرنا جائز ہے۔ مثلاً دونوں میں سے ایک بمبئی میں اور

---

[۱] مستفاد امداد الفتاوی ص۱۲۱ ج۳ [۲] شرح وقایہ ص۸۵ ج۳، درمختار کراچی ص۲۲۴ ج۵

دوسرا دلی میں یا ایک ہندوستان میں اور دوسرا امریکہ میں ہو، اور دونوں آپس میں خرید وفروخت کا معاملہ کرنا چاہتے ہیں تو دونوں کے لئے خط وکتابت کے ذریعہ سے اپنا معاملہ طے کرنا جائز اور درست ہے۔ اور خط میں مال اور سامان کا نمونہ، کوالٹی، سائز وغیرہ تمام شرائط لکھدے، مثلاً یہ لکھدے کہ میں آپ کا فلاں نمونہ اور فلاں کوالٹی کا مال اتنی قیمت میں خریدتا ہوں۔ اور دوسرا لکھے کہ میں نے بیچدیا تو اس طرح عقد منعقد اور لازم ہوجاتا ہے۔ اور فریقین پر معاہدہ اور شرائط کے مطابق عمل کرنا لازم ہوجاتا ہے۔ اور اگر کوئی سامان طے شدہ شرائط کے خلاف ہو یا خراب ہو تو مشتری کو واپس کرنے یا مناسب انداز سے اس کی قیمت گھٹانے بڑھانے کا حق حاصل ہوسکتا ہے۔ نیز ہبہ، اجارہ اور کرایہ داری وغیرہ کا معاملہ بھی خط وکتابت کے ذریعہ سے اسی طرح جائز ہے، علامہ شامیؒ نقل فرماتے ہیں

ویکون بالکتابۃ من الجانبین	اور جانبین سے خط وکتابت کے
فاذا کتب اشتریت عبدک فلانا	ذریعہ عقد صحیح ہوجاتا ہے۔ لہٰذا جب
بکذا وکتب الیہ البائع قد بعتُ	خریدار لکھتا ہے کہ میں آپکا فلاں غلام
فھٰذا بیعٌ۔ ؎	اتنے میں خرید لیتا ہوں اور بائع جواب

میں لکھے میں نے بیچدیا تو یہ عقد بیع ہے۔

؎ شامی کراچی ص۵۱۲ج۴ ھکذا بنایہ ص۸ج۳ عالمگیری ص۹ج۳، البحر الرائق ص۲۶۹/ج۵ ۔

ٹیلی فون سے خرید و فروخت

ٹیلی فون میں بات کرنے والا جانا پہچانا ہے، اور اس پر پوری طرح اعتماد بھی ہے۔ اور اس میں دھوکا بازی اور فریب میں مبتلا کرنے کا اندیشہ بھی نہیں ہے یا جس سے معاملہ کیا جارہا ہے وہ تجارتی لائن میں معروف ومشہور ہے تو ٹیلیفون کے ذریعے سے بھی معاملہ طے کرلینا جائز اور درست ہے۔ اور موجودہ کہربائی دور میں ذرائع تجارت میں سے ٹیلیفون ایک آسان اور اہم ذریعہ ہے۔ [1]

نمونہ کا فوٹو

آجکل کے زمانہ میں تاجروں کے درمیان اس طرح بھی معاملہ رائج ہے ایکسپورٹر اپنے مال اور سامان کا رنگین یا سادہ فوٹو کرا کے بطور نمونہ امپورٹر کے پاس بھیجدیتا ہے۔ اور اس سامان کی پیمائش اور وزن وغیرہ سب کچھ لکھدیتا ہے۔ اور اس سے سامان کی ساری صفات معلوم ہوجاتی ہیں، اور امپورٹر ان فوٹوؤں سے نمونہ پسند کرکے آرڈر دیتا ہے تو اس طرح کا عقد اور معاملہ طے کرنا بھی شرعاً جائز اور درست ہے۔ اس لئے کہ یہ خط وکتابت کے ذریعہ معاملے کرنے کے درجہ میں ہے۔ اور خط وکتابت سے بیع وشراء کے جواز کا حکم

---

[1] اسلامی فقہ ص ۳۰۱ ج ۲

کتب فقہ میں بکثرت موجود ہے[1]۔ البتہ فوٹو چونکہ عین شئی نہیں ہے۔ اس لئے جب امپوٹر عین شئی دیکھ لیگا تو اس کے لئے خیار رویت کا حق باقی رہے گا۔

وکیل کے ذریعہ عقد بیع

وکیل کے ذریعہ سے معاملہ طے کرنے کی تین شکلیں زیادہ رائج ہیں۔

(۱) ایکسپوٹر کی طرف سے وکیل بات کرے اور امپوٹر اپنی طرف سے خود بات کرے۔ (۲) ایکسپورٹر اپنی طرف سے خود بات کرے اور امپوٹر کی طرف سے وکیل بات کرے۔ (۳) ایکسپوٹر اور امپوٹر دونوں کی طرف سے وکیل بات کرے، تو اس طرح وکیل کے توسط سے خرید و فروخت کی یہ تینوں صورتیں جائز اور درست ہیں۔ اور ایکسپورٹر کی طرف سے وکالت کا جواز ہدایہ کے حسب ذیل جزئیہ سے واضح ہوتا ہے۔

الوکیل بالبیع یجوز بیعہ بالقلیل والکثیر والعرض عند ابی حنیفۃ[2]

فروخت کرنے کے لئے جس کو وکیل بنایا جاتا ہے قلیل وکثیر ثمن اور سامان کے عوض فروخت کرنا حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔

اور امپورٹر کی طرف سے وکالت کا جواز حسب ذیل جزئیہ سے واضح ہو جاتا ہے

---

[1] شامی کراچی ص۵۱۲ ج۴، بنایہ ص۸ ج۳، عالمگیری ص۹ ج۳، البحر الرائق ص۲۶۹ ج۵،

[2] ہدایہ ص۱۷۳ ج۳۔

والوکیل بالشراء یجوز عقدہ بمثلِ القیمۃ ـ لہ — جس کو خریداری کے لئے وکیل بنایا جاتا ہے اس کے لئے مثل قیمت کیساتھ عقد کرنا جائز ہے

اور اسی طرح دونوں کے وکیلوں کا اُدھار معاملہ کرنا بھی جائز ہے. جو کتاب الفقہ کی حسبِ ذیل عبارت سے واضح ہو جاتا ہے۔

اذا وکلہٗ علی ان یبیع لہٗ سلعۃ یتجر فیھا فباعھا بثمنٍ مؤجلٍ فانہٗ یصح ـ لہ — جب اپنا سامان تجارتی فائدہ کے لئے فروخت کرنے پر وکیل بنائے، پس وکیل اُدھار ثمن کے ساتھ فروخت کرتا ہے تو یہ صحیح ہے۔

اور ایکسپورٹ اور امپورٹ کے متعلق وکالت کا جو شرعی حکم لکھا گیا ہے وہ ہر قسم کی خریداری کے معاملہ میں جاری ہو سکتا ہے۔

رسُول اور ترجمان کے ذریعہ سے عقدِ بیع

بعض دفعہ خریدار ایسا بھی کرتے ہیں کہ اپنے کسی ملازم یا دوست کو پرچہ دیکر یا زبانی یہ کہہ کر بھیجتے ہیں کہ فلاں کے پاس جاؤ، اور اس سے کہدینا کہ میرے ہاتھ اپنی فلاں چیز فروخت کردے، اور مرسل الیہ اس خبر کے مطابق منظور کرلیتا ہے. نیز اسی طرح کبھی مال فروخت کرنے والا خریدار کے پاس اپنے کسی آدمی کو

لہ ھدایہ ص ۱۷۳ ج ۳ ـ لہ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ص ۱۹۶ ج ۳

پرچہ دیکر یا زبانی یہ کہہ کر بھیجتا ہے کہ میرے پاس فلاں آئٹم موجود ہے اس کی اتنی قیمت ہے اگر آپ لینا چاہتے ہیں تو کسی کے ہاتھ منگوا لیجئے، اور خریدار اس اطلاع کے مطابق منظور کر لیتا ہے۔ اور قیمت کبھی ہاتھوں ہاتھ ادا کر دی جاتی ہے اور کبھی اُدھار بھی ہوا کرتی ہے تو شریعت میں اس طرح کا معاملہ بھی جائز اور درست ہے۔ اور اس طرح کے معاملہ کرنے کو علامہ شامیؒ نے ان الفاظ سے واضح فرمایا ہے۔

وصورۃ الارسال ان یرسل رسولا فیقول البائع بعت ھذا من فلان الغائب بالف درھم فاذھب یا فلان وقل لہ فذھب الرسول فاخبرہ بما قال فقبل المشتری فی مجلسہ ذلک الخ[۱]

آدمی بھیجکر معاملہ کرنے کی صورت یہ ہے کہ کسی آدمی کو بائع یہ کہہ کر بھیجدے کہ میں نے فلاں غائب شخص کے پاس (مثلاً) ایک ہزار درہم میں یہ چیز فروخت کر دی ہے۔ اے فلاں اس سے جاکر تم بتلادو۔ تو وہ قاصد جاکر اس بات کی خبر دیدے اور خریدار اس کو اپنی اسی مجلس میں قبول کر لے (تو یہ جائز ہے)۔

سلّی[۲] کی خرید و فروخت

سلّی کی خریداری میں اگر نقد پیسہ ادا کر دیا جائے تو بلا کراہت جائز اور درست ہے، اور اگر اُدھار خریداری ہوتی ہے تو اس کی دو شکلیں سامنے آتی ہیں۔

---

[۱] شامی کراچی ص۵۱۲/۴ جدید، هکذا هندیہ ص۹/۳ جدید۔ [۲] تانبا، پیتل، اسٹیل وغیرہ دھات کو پگھلا کر جو پیس بنایا جاتا ہے اس کو سلّی کہا جاتا ہے۔

۱ خریدار کہتا ہے کہ نقد خرید نا ہے تو بائع کہدیتا ہے کہ مثلاً نقد اسی روپیہ فی کلو تم کو مل جائیگی
اور اگر خریدار کہتا ہے کہ اُدھار خرید نا ہے تو بائع کہتا ہے کہ اگر
اُدھار لوگے تو سنّو روپیہ فی کلو مل سکتا ہے۔ تو خریدار سنّو روپیہ فی کلو طے کرکے اُدھار
خرید لیتا ہے تو یہ شکل شرعًا جائز اور درست ہے۔ [۱]

۲ بائع یوں کہدے کہ نقد اسّی روپیہ فی کلو سلی مل سکتی ہے لیکن اگر اُدھار خریدوگے
تو ہر ہفتہ یا ہر ماہ فی کلو ایک دو پیسہ زائد دینا ہوگا، تو اس طرح معاملہ شرعًا
سود اور ربا کے دائرہ میں داخل ہوکر ناجائز اور حرام ہوگا۔ یہ زمانہ جاہلیت
کے سودی معاملہ کے مرادف ہے۔

فان تعذر علیہ الاداء زادوا فی الحق والاجل فهذا هو الربوا الذی کانوا فی الجاهلیة یتعاملون بہ الخ [۲]

تو اگر رقم ادا کرنے سے معذور ہو جاتا ہے تو حق یعنی رقم اور مدت میں اضافہ کر دیا جاتا ہے لہٰذا یہ وہی سودی معاملہ ہے جو زمانۂ جاہلیت میں معمول رہا ہے۔

اور اسی طرح اُدھار رقم میں ہفتہ وار، ماہوار اضافہ کی شرط لگانا ہر قسم
کے معاملہ میں سود و ربا کے دائرہ میں داخل ہوا کرے گا۔

---

[۱] امداد الفتاویٰ ج۳ ص۲۰ [۲] تفسیر کبیر ج۷ ص۹۱

اڈوانس

پیشگی رقم کی ادائیگی

اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ جب فریقین میں معاملہ طے ہوجاتا ہے تو بائع کہتا ہے آپ کو پیشگی رقم دینی ہوگی تو اس پر امپورٹر بینک کے توسط سے کل یا بعض رقم ایکسپورٹر کو دیتا ہے، اور ایکسپورٹر طے شدہ شرائط کے مطابق مال تیار کرکے ارسال کردیتا ہے، تاجروں نے اس طرح کے معاملہ کا نام اڈوانس رکھا ہے۔ اب اس میں معاملہ کرنے کی چار شکلیں سامنے آتی ہیں۔

۱ ایک ماہ یا اس سے زائد مدت کے بعد مال ارسال کرنے کا معاملہ طے ہوتا ہے تو یہ شرعی طور پر بیع سلم کے دائرہ میں داخل ہوکر جائز ہوجاتا ہے[۱] اس کی تفصیل بیع سلم کی بحث میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اور علامہ علاؤالدین حصکفی نے اس مسئلہ کو ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے۔

واقلہ فی السلم شہر بہ یفتی الخ وتحتہ فی الشامیۃ مافی المتن اصح وبہ یفتی (زیلعی)، وھوالمعتمد (بحر) وھوالمذھب (نھر)۔[۲]

بیع سلم میں کم ازکم ایک ماہ کی مدت متعین کرنا شرط ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے، اور اسکے تحت شامی میں ہے کہ متن یعنی درمختار میں جو کم ازکم ایک ماہ کی شرط لگائی گئی ہے وہ زیادہ صحیح ہے، اور زیلعی نے اسی پر فتویٰ نقل فرمایا ہے، صاحب بحر نے اسی کو معتمد علیہ قول کہا ہے، اور صاحب نہر الفائق نے اسی کو مذہب کے مطابق کہا ہے۔

---

[۱] مستفاد امداد الفتاویٰ ص ۲۱ ج ۳ [۲] درمختار کراچی ص ۲۱۵، ۲۱۴ ج ۵

۲) ایک ماہ سے کم کی مدت متعین کی جاتی ہے یا مدت ہی متعین نہیں کی جاتی ہے۔ اور صرف ایکسپورٹر سے مال بنواکر بھیجنے کی بات طے ہوتی ہے۔ تو یہ بیع استصناع اور آرڈر کے دائرہ میں داخل ہوکر جائز ہوگی۔ اس کی تفصیل آرڈر اور استصناع کی بحث میں دیکھ لی جائے۔

۳) مال بنواکر ارسال کرنے کی بات نہیں ہوتی ہے بلکہ مطلقاً معاملہ طے ہوا ہے کہ وہ کہیں سے بھی لاکر دیا کرے گا، اور خریدار نے پیشگی رقم ادا کر دی ہے تو یہ معاملہ بھی بلا کراہت جائز ہے۔

۴) خریدار نے پیشگی رقم ادا کردی ہے، بائع شئ مبیع کو تھوڑا تھوڑا ادا کرتا رہیگا تو ایسی صورت کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے[1]۔ البتہ بلا کراہت جواز کی شکل یہ ہوسکتی ہے کہ بائع خریدار سے قرض کے نام سے رقم حاصل کرلے اور بعد میں اس قرض کی ادائیگی سامان و مبیع کی شکل میں تھوڑی تھوڑی کرتا رہے، تو اس طرح معاملہ کرنے میں کراہت بھی لازم نہ آئے گی اور معاملہ بھی صحیح اور درست ہو جائے گا۔

ولو اعطاہ الدراہم وجعل یاخذ منہ	خریدار نے بائع کو پیشگی رقم دیدی ہے اور
کل یوم خمسۃ امناء ولم یقل فی الابتداء	خریدار بائع سے روزانہ پانچ من لیتا رہے اور
اشتریت منک یجوز وھٰذا حلال	شروع میں یہ نہ کہے کہ میں نے آپ سے خریدی ہے
وان کان نیتہ وقت الدفع الشراء	تو یہ جائز وحلال ہے۔ اگرچہ رقم دیتے وقت
لانہ بمجرد النیۃ لا ینعقد البیع وانما	خریدنے کی نیت رہی ہو۔ اس لئے کہ محض نیت کی وجہ سے عقد

[1] مستفاد امداد الفتاویٰ ص ۲۰ ج ۳ ،

ینعقد البیع الاٰن بالتعاطی والاٰن المبیع معلوم فینعقد البیع صحیحاً۔[1]

اور معاملہ بیع منعقد نہیں ہوا کرتا۔ اور اب لین دین سے معاملہ بیع منعقد ہو جائے گا۔ اور اب چونکہ مبیع متعین ہے لہٰذا بیع صحیح طریقہ سے منعقد ہو جائے گی۔

ڈرابیک

جب امپورٹر بیرونِ ملک سے خام مال درآمد کرتا ہے تو اس کو اپنا درآمد کردہ مال حاصل کرنے میں حکومت کو ایک بھاری رقم کسٹم ڈیوٹی کے نام سے دینی پڑتی ہے اس کے بغیر اپنا مال درآمد کر ہی نہیں سکتا، اور جب خام مال دھلائی وغیرہ کے ذریعہ سے صاف ستھرا ہو کر پکا مال کے مراحل کو پہنچتا ہے۔ اس کے بعد پھر درآمد کنندہ از خود یا کوئی دوسرا آدمی اس پکا مال کا ایکسپورٹ کرتا ہے تو حکومت اپنی طرف سے ایک متعینہ رقم ایکسپورٹر کو نقصان کی تلافی کے نام سے دیا کرتی ہے اس کو ڈرابیک کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور یہ رقم ایکسپورٹر کے لئے جائز اور حلال ہے۔ کیونکہ یہ رقم درحقیقت حکومت کی طرف سے ایک انعام ہے، چاہے حکومت اسکو نقصان کی تلافی سمجھتی ہو یا کسٹم ڈیوٹی کا عوض، ہر حال میں یہ انعام ہے، کیونکہ اس طرح ڈرابیک کے نام سے بعض ایسے اموال کے ایکسپورٹ کرنے سے بھی حکومت انعام دیتی ہے۔ جس کے خام اجزاء بیرونِ ملک سے درآمد نہیں کئے جاتے ہیں جیسے کپڑے وغیرہ کہ کپڑے کے ایکسپورٹ میں بھی حکومت ڈرابیک کے نام سے رقم دیتی ہے۔

---

[1] البحر الرائق ۵/۲۷۰، شامی کراچی ۴/۵۱۵،

التبرع العطاء بغیر مقابل لہ   تبرع کہا جاتا ہے جس کے مقابلہ میں حقیقی طور پر عوض نہیں ہوتا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ کپڑے وغیرہ کے ڈرابیک کسی شئی کا عوض نہیں ہے۔ اور اسی طرح جس نے خام مال درآمد نہیں کیا ہے اگر ایکسپورٹ کریگا تو اس کو بھی ڈرابیک مل سکتا ہے۔ جس کو شرعی طور پر عوض کے دائرہ میں لانے کا کوئی مجاز نہیں ہے۔

ڈرابیک کا چیک کم پیسے میں بھنوانا

حکومت جب ڈرابیک کی رقم دیتی ہے تو چیک کی شکل میں دیتی ہے۔ اور ضابطۂ حکومت کے مطابق چیک کے بھنانے میں کافی وقت لگ جاتا ہے، اور تاجر کو فوری رقم کی ضرورت ہوتی ہے، اور تاجر مجبور ہو کر ہزار روپیہ کا چیک نو سو روپیہ میں بھنا دیتا ہے اور بینک اپنے ضابطہ کے مطابق وقت مقررہ پر پوری رقم بھنا لیتے ہیں اور زائد رقم اپنے پاس رکھ لیتے ہیں، بینک کے علاوہ دوسرے مالدار لوگ بھی کم پیسے میں خرید لیتے ہیں، اس طرح کم پیسے میں چیک بھنوانا اور فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس طرح کم پیسے میں چیک کا بھنوانا میعادی چیک کی بیع اور بیع الجامکیہ کے مرادف ہو کر ناجائز و حرام ہوگا۔ اور بیع الجامکیہ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ حکومت کا ملازم یا صاحب وظیفہ جسکو منجانب حکومت مقررہ میعاد پر تنخواہ یا وظیفہ ملتا ہے وہ کبھی وقت مقررہ سے

لہ لغۃ الفقہاء صنا۱۲

قبل ضرورت کی وجہ سے کم پیسہ میں اپنی تنخواہ یا وظیفہ فروخت کر دیتا ہے، اور خریدار وقتِ مقررہ میں صاحبِ وظیفہ کے نام سے پورا وظیفہ وصول کر لیتا ہے تو حضراتِ فقہاء نے اس طرح کی خرید و فروخت کو ناجائز و حرام کہا ہے۔ اس لئے ایکسپورٹر کے لئے قبل الوقت کم قیمت میں اپنا چیک فروخت کرنا اور بھنوانا رِبا اور سود کی وجہ سے جائز نہ ہوگا۔[1] صاحبِ اعلاء السنن نقل فرماتے ہیں۔

ان بیع الصّکّ والبرأۃ والجامکیۃ انما لا یجوز۔[2]

بیشک چیک اور تعطیل کی تنخواہ اور جامکیہ کی بیع (کمی بیشی) کے ساتھ یقیناً جائز نہیں ہے۔

اور علّامہ شامی اس مسئلہ کو ان الفاظ کے ساتھ نقل فرماتے ہیں۔

وافتی المصنّف ببطلان بیع الجامکیۃ وتحتہ فی الشامیۃ سئل عن بیع الجامکیۃ وھو ان یکون لرجلٍ جامکیۃ فی بیت المال ویحتاج الی دراھم معجلۃ قبل ان تخرج الجامکیۃ فیقول لہ رجلٌ بعنی جامکیتک التی قدرھا کذا بکذا انقص من حقہ فی الجامکیۃ فیقول لہ بعتک فھل البیع المذکور

مصنف نے بیع الجامکیہ (مقررہ وظیفہ کی بیع) کے باطل ہونے کا فتویٰ دیا ہے، اور اس کے تحت شامی میں ہے کہ بیع جامکیہ سے متعلق سوال کیا گیا اور اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص کے لئے بیت المال سے وظیفہ اور تنخواہ مقرر ہے جو وقت مقررہ یعنی مہینہ کے اخیر میں مل سکتی ہے اور وہ فوری طور پر تنخواہ ملنے سے پہلے ضرورتمند ہے تو اس سے کوئی

---

[1] مستفاد کفایت المفتی ص۹۷ ج۸، رسالہ ندائے شاہی شمارہ مئی ۱۹۹۱ء ص۲۲، کفایت المفتی ص۱۵۷ ج۸، ص۱۵۹ ج۸،

[2] اعلاء السنن ص۲۲۴ ج۱۴،

صنیع امرا لکونہ بیع الدین بنقد اجاب اذا باع الدین من غیر من ھو علیہ کما ذکر لا یصح۔ ۱ھ

شخص کہتا ہے کہ تم اپنا وظیفہ جس کی مقدار فلاں ہے میرے پاس اس سے کم میں فروخت کردو، اس نے کہا کہ میں نے بیچدیا تو کیا یہ بیع صحیح ہے یا نہیں؟ تو جواب دیا کہ غیر کے ہاتھ میں اس طرح فروخت کرنا صحیح نہیں ہے۔

ڈالر، پونڈ، ریال وغیرہ سے عقدِ بیع

جب ایکسپورٹر غیر ملکی تاجروں کے ہاتھ مال فروخت کرتا ہے تو مال کی قیمت اور ثمن عام طور پر امریکن ڈالر یا انگریزی پونڈ یا سعودی ریال وغیرہ سے طے کرتا ہے اور یہ رقوم سرکاری بینک وغیرہ کے توسط سے آتی ہیں اور سرکار ایکسپورٹر کو بعینہٖ وہی رقوم نہیں دیتی بلکہ زرمبادلہ کا حساب لگا کر ہندوستانی اور دیسی سکہ و روپیہ ہی دیا کرتی ہے، اور ایسی صورت میں جب کبھی ڈالر وغیرہ کا بھاؤ بڑھ جاتا ہے تو زرمبادلہ کا حساب لگا کر حکومت ایکسپورٹر کو انڈین روپیہ زیادہ دیدیتی ہے، اور ایکسپورٹر کو اپنے حساب سے ایک قسم کا نفع زیادہ مل جاتا ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ڈالر کی قیمت کم ہوجاتی ہے تو زرمبادلہ میں ایکسپورٹر کو اپنی توقع اور حساب کے اعتبار سے انڈین روپیہ کم ملتا ہے تو ایسی صورت میں ایکسپورٹر کو ایک قسم کا خسارہ ہوتا ہے۔ اور کبھی ڈالر وغیرہ کا بھاؤ وہی رہتا ہے جو پہلے تھا ایسی صورت میں زرمبادلہ کے مسئلہ میں کوئی نفع نقصان کا سوال پیش نہیں آتا ہے۔

۱ھ شامی کراچی ص۵۲۶ ج۴، نہایۃ الاوطار ص۱ ج۳،

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ڈالر وغیرہ کا بھاؤ بڑھ جائے تو ایکسپورٹر کو اپنی توقع سے زائد جو روپیہ حاصل ہوتا ہے وہ اس کے حق میں سُود اور ربا کے دائرہ میں داخل ہوگا یا اس کے لیے یہ حلال ہوگا؟ اور اسی طرح اگر ڈالر وغیرہ کا بھاؤ گھٹ جائے اور زرِ مبادلہ توقع سے کم ملے تو اس کے حق میں نقصان کے دائرہ میں شامل ہوگا یا نہیں؟ تو حضراتِ فقہاء اس کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ جس رقم پر معاملہ طے ہوا ہے وہی رقم متعین ہوا کرے گی چاہے زرِ مبادلہ میں اُتار چڑھاؤ ہوتا رہے۔ لہٰذا اگر امریکن ڈالر سے معاملہ طے ہوا ہے تو امپورٹر کے ذمہ امریکن ڈالر ہی ادا کرنا واجب ہوگا یا بوقت ادائیگی امریکن ڈالر کے مساوی ملکی سکّہ ادا کرنا لازم ہوگا۔ یہی حکم سعودی ریال یا برطانوی پونڈ وغیرہ سے معاملہ طے کرنے میں بھی ثابت ہوا کرے گا۔ اس لیے اگر ڈالر کی قیمت بڑھ جانے کی وجہ سے ایکسپورٹر کو زرِ مبادلہ زیادہ مل جائے تو وہ اس کے حق میں حلال اور پاک ہوگا۔ اور اگر ڈالر کی قیمت گھٹ جائے اور زرِ مبادلہ توقع کے حساب سے کم ملے تو شرعی طور پر ایکسپورٹر کا کوئی نقصان نہیں سمجھا جائیگا بنایہ شرح ھدایہ میں نقل فرماتے ہیں کہ اگر نقود مختلف ہوں اور اُن میں سے کسی ایک کو متعین کر کے واضح کر دے تو بوقتِ ادائیگی وہی مُراد اور لازم ہوا کریگا

ان یرفع الجہالۃ بالبیان بان یبین بعض النقود انہٗ ھو المُراد [1]

یعنی بیان و وضاحت سے جہالت دُور ہو جاتی ہے جب بعض نقود کو متعین کردیگا تو وہی مراد ہوا کرے گا۔

---

[1] بنایہ ص ۲۷/۱۴

اور اسی مسئلہ کو علامہ شامیؒ نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔

ثم ان انواع العملة المضروبة تقوم بالقروش فمنها ما يساوى عشرة قروش ومنها اقل ومنها اكثر فاذا اشترى بمائة قرش فالعادة انه يدفع ما اراد اما من القروش او مما يساويها من بقية انواع العملة من ريال او ذهب ولا يفهم احد ان الشراء وقع بنفس القطعة المسماة قرشا بل هى او ما يساويها۔[1]

پھر بیشک مختلف الانواع نقود مقررہ کی قیمت ترکی سکہ کے ساتھ لگائی جائے پھر ان نقود میں سے بعض سکہ ترکی میں دس کے برابر اور بعض اس سے کم اور بعض اس سے زیادہ ہے تو ایسی صورت میں جب سَو ترکی سکہ سے معاملہ طے ہوجائے تو عادت وعرف کے مطابق مشتری چاہے سَو ترکی سکے ادا کردے یا اس کے مساوی زرمبادلہ کے طور پر دوسرے نقود میں سے ریال یا سونا ادا کردے اور کوئی یہ نہیں سمجھتا ہے کہ ترکی سکہ دینا لازم ہے، بلکہ وہ بھی دے سکتا ہے اور اسکے مساوی دوسرے سکے بھی دے سکتا ہے۔

مذکورہ جزئیہ سے یہ حکم واضح ہوچکا ہے کہ جس رقم سے طے کیا جائے مالیت کے اعتبار سے اسی رقم کا اعتبار ہوگا چاہے ادائیگی کسی دوسرے سکوں کے ذریعہ سے کی جائے۔

قیمت وصول ہونے میں تاخیر پر شرح سُود متعین کرنا

بعض تاجروں میں اس طرح بھی معاملہ طے ہوتا ہے کہ اگر خریدار کو وقت مقررہ پر قیمت ادا کرنے میں تاخیر ہوجائے تو بائع خریدار پر تاخیر کی وجہ سے شرح سُود لازم

---

[1] شامی کراچی ۴/۵۳۷

کرتا ہے۔ شرعی طور پر اس طرح شرح سود متعین کرنا اور اس کا حاصل کرنا سُود اور حرام ہے۔ اور اگر حاصل کر لیا ہے تو واپس کر دینا واجب ہے۔ نیز اس طرح کا معاملہ زمانۂ جاہلیت کے سُودی معاملہ کے مرادف ہے۔ آیتِ ربا کے تحت تفسیر کبیر میں نقل فرماتے ہیں۔

ثم اذا حل الدّین طالبوا المدیُون برأس المال فان تعذّر علیہ الاداء زادوا فی الحق والاجل فھٰذا ھو الرّبا الذی کانوا فی الجاھلیۃ یتعاملون بہ الخ ؎	پھر جب دئے ہوئے قرض کی مدت پوری ہو جائے تو مالک مدیون سے اپنے حق مال کا مطالبہ کرے اور جب ادا کرنے سے معذور ہو جائے تو اپنے حق مال اور مدّت میں اضافہ کر دیتے تھے تو یہی زمانۂ جاہلیت کا سُودی معاملہ

ہے جو لوگ کرتے تھے۔ جس کو شریعتِ اسلامی نے حرام قرار دیا ہے۔

نیز خریدار سے لیا ہوا سودی پیسہ انکم ٹیکس وغیرہ میں دینا بھی جائز نہیں ہے۔ اور چونکہ خریدار متعین اور معلوم ہوا کرتا ہے اس لئے اس کو واپس کر دینا واجب ہوگا۔ ہاں اگر کوئی ایسی شکل پیدا ہو جائے کہ خریدار تک کسی بھی طریقہ سے پہنچایا نہ جا سکتا ہو تو پھر فقراء کو بلا نیتِ ثواب دیدینا لازم ہوگا۔

ویجب علیہ ان یردّہٗ علیٰ مالکہ ان وجد المالک والّا ففی جمیع الصّور یجب علیہ ان یتصدّق بمثل تلک الاموال علی الفقراء ؎	اور اس پر واجب ہے کہ حرام مال اس کے مالک تک پہنچا دے اگر مالک تک رسائی ممکن ہو ورنہ سب صورتوں میں اتنا مال نادار فقیروں میں تقسیم کر دینا واجب ہے۔

؎ تفسیر کبیر ص ۹۱ ج ۱، ؎ بذل المجہود ص ۳۴ ج ۱۷،

شرح سود کی تعیین کے جواز کی شکل

مسلم تاجر امریکہ، جرمنی، فرانس، برطانیہ، اٹلی وغیرہ جیسے دار الحرب کے غیر مسلم کے ہاتھ اپنا مال نقدی یا اُدھار فروخت کرتا ہے اور اس کی ادائیگی میں تاخیر ہونے پر شرح سود متعین کیا جاتا ہے، اور وہ مسلم تاجر مذکورہ ممالک کا رہنے والا نہ ہو تو اس کے لئے وہاں کے غیر مسلم امپورٹر سے شرح سُود متعین کرکے حاصل کرنا جائز اور حلال ہوگا۔ اس لئے کہ دار الحرب میں وہاں کے غیر مسلم سے ایسے مسلمان کے لئے سود حاصل کرنا جائز ہے جو اس دار الحرب کا رہنے والا نہ ہو[۱] اور یہ مسئلہ درمختار کی عبارت سے خوب اچھی طرح واضح ہو سکتا ہے۔

ولا بين حربي ومسلم مستامن ولو بعقد فاسد او قمار ثمه[۲]

حربی اور اس مسلمان کے درمیان سُودی معاملہ حرام نہیں ہے جو دار الحرب میں پاسپورٹ وغیرہ سے امن لیکر آیا ہوا ہو، اگرچہ عقدِ فاسد ہی سے سودی رقم حاصل کی گئی ہو، یا جُوا اور قمار سے حاصل کی گئی ہو۔

لہٰذا مسلم تاجر کے لئے خود جس ملک کا باشندہ ہے اگرچہ وہ دار الحرب ہی کیوں نہ ہو وہاں کے غیر مسلم سے تاخیر کی بنا پر شرح سُود متعین کرکے حاصل کرنا جائز نہ ہوگا۔ نیز مُسلم ملک کے کسی بھی تاجر پر شرح سُود متعین کرنا جائز نہیں ہے۔ چاہے تاجر مُسلمان ہو یا غیر مُسلم ہر حال میں جائز نہ ہوگا۔

---

[۱] مستفاد امداد الفتاویٰ ص۱۵۱ ج۳   [۲] درمختار کراچی ص۱۸۶ ج۵ ،

ٹریڈ مارک اور کمپنی و تجارتی فرم کے نام کی فروختگی

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی تاجر یا تجارتی کمپنی مال تیار کر کے اندرون ملک و بیرونی ممالک میں ایکسپورٹ کرتا ہے، اور رفتہ رفتہ وہ تاجر یا تجارتی کمپنی لوگوں کے درمیان نیک نامی سے مشہور ہوجاتی ہے، اور اس نام سے جو چیز فروخت ہوتی ہے اس کی مانگ اور سیل زیادہ ہونے لگتی ہے۔ حتیٰ کہ تاجروں کے درمیان اس نام کی بڑی قیمت ہوجاتی ہے، اور لوگ اس نام کو بھاری قیمت میں خریدنے لگتے ہیں۔ تو کیا اس طرح شہرت یافتہ ناموں کی خرید و فروخت جائز ہوسکتی ہے۔

توحضرت تھانوی قدس سرہٗ نے مال کے بدلہ میں وظائف اور حق سے دستبرداری کے مسئلہ پر قیاس کرتے ہوئے اس طرح نام اور نشان کی خرید و فروخت کرنے کو جائز لکھا ہے۔ [۱] گویا یہ ایسا ہے کہ اگر کسی کو حکومت یا کمپنی سے وظیفہ ملتا ہے اور وہ اپنا یہ حق کسی کے ہاتھ بعوض مال یا بعوضِ روپیہ منتقل کردینا چاہتا ہے تو اس کے لئے یہ جائز اور درست ہے، اور اسی پر علماء کا اتفاق ہے۔

علامہ علاء الدین حصکفیؒ نے اس مسئلہ کو ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔

فیفتی بجواز النزول عن الوظائف بمال [۲]	پس فتویٰ دیا گیا ہے مال کے بدلہ میں وظائف اور حق سے دستبرداری کے جواز پر۔

---

[۱] حوادث الفتاویٰ ص۱۷۱، ج۴، نظام الفتاویٰ ص۱۳۲، ج۱۔ [۲] در مختار کراچی ص۵۱۹، ج۴۔

اور بعض علماء نے مفتی ابو السعود کے اس فتوی سے بھی استدلال کر کے جائز قرار دیا ہے۔ جس میں انہوں نے اس بات کا فتویٰ دیا ہے کہ اپنے حق قرار اور حق تصرف کے بدلہ میں عوض لینا جائز ہے۔

ورأیت بخط بعض العلماء عن المفتی ابو السعود انہ افتی بجواز اخذ العوض فی حق القرار و التصرف الخ لہ

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے مفتی ابو السعود سے یہ بات لکھتے ہوئے دیکھا کہ انہوں نے حق تصرف و حق قرار کے بدلہ میں عوض لینے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

لائسنس کی خرید و فروخت

کاروباری سہولت اور آسانی کے لئے تاجر یا کمپنی سرکار سے لائسنس منظور کرالیتی ہے۔ اور اس لائسنس کی وجہ سے مال درآمد اور برآمد کرنے میں سرکاری رکاوٹ سے حفاظت ہوتی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا جس کے لئے ایکسپورٹ یا امپورٹ کا لائسنس منظور ہوگیا ہے وہ دوسرے کے ہاتھ اس لائسنس کو فروخت کر سکتا ہے؟

واقعہ یہ ہے کہ یہ لائسنس کوئی مادی چیز نہیں ہے۔ بلکہ دوسرے ملک یا شہر یا مارکیٹ میں سامان بیچنے اور منتقل کرتے یا دوسرے ملک یا شہر سے مال خرید کر لانے کے حق کا نام ہے۔ اور یہ ایک ایسا حق ہے جس کے حاصل کرنے میں کافی

لہ شامی کراچی ص ۵۲۰ ج ۵ ،

کوشش اور رقم بھی خرچ کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے سرکار کی رضامندی اور قانون کے ماتحت رہ کر لائسنس کی فروختگی بھی جائز اور درست ہے۔ غالباً اسی اصول سے حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے گورنمنٹ کی رضامندی سے پنشن کی فروختگی کے جواز کا فتویٰ صادر فرمایا ہے۔ [1]

اور لائسنس بھی اپنا ایک اہم ترین حق ہے جس سے بڑا فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اور حضرات فقہاء نے اس قسم کے حقوق سے دستبرداری کے بدلہ میں مالی عوض حاصل کرنے کو جائز کہا ہے۔ اور علامہ شامیؒ نے اس مسئلہ کو ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔

فانھم قالوا یجوز اخذ العوض علیٰ وجہ الاسقاط للحق ولا ریب ان الفارغ یستحق المنزول بہ [2]	پس بیشک فقہاء نے کہا ہے کہ اپنے حق کو ساقط کرنے (دستبردار ہونے) پر (مالی) عوض لینا جائز ہے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ دستبردار ہونے والا اس مال کا مستحق ہو جاتا ہے جس کے عوض میں دستبرداری دی ہے۔

---

[1] امداد الفتاویٰ ص ۵۸۰ ج ۳، [2] شامی کراچی ص ۵۲۰ ج ۴،

پیکنگ کریڈٹ

اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ بسا اوقات ایکسپورٹر کے پاس اتنی رقم موجود نہیں ہوتی جتنی اس کو فوری ضرورت ہوتی ہے تو وہ بینک سے مال کی تیاری کے لیے پیشگی سودی قرض لیتا ہے تو اس کو پیکنگ کریڈٹ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

شرعی حکم پیکنگ کریڈٹ کے نام سے جو سودی قرض حاصل کیا جاتا ہے وہ شرعی طور پر صریح سود کے دائرے میں داخل ہونے کی وجہ سے بحکم حدیث حرام اور مستحق لعنت ہوگا کیونکہ حدیث شریف میں سود لینے کی طرح سود دینے کو بھی مستحق لعنت بتلایا گیا ہے[1] اسلئے کہ یہ ایسی شدید ضرورت نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے بقدر ضرورت حرام امور اختیار کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ جیسا کہ حالت مخمصہ میں مردار کھا کر جان بچانے کی اجازت ہوجاتی ہے۔ مگر الضرورة تقدر بقدر الضرورة[2] کی قید لگا کر واضح کر دیا ہے کہ مردار بھی پیٹ بھر کر نہیں کھا سکتا بلکہ صرف جان بچانے کے بقدر کھانے کی اجازت ہوتی ہے۔ چنانچہ الاشباہ والنظائر میں اس حکم کو ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے۔

---

[1] مسلم شریف ص۲۷/۲۔ [2] الاشباہ ص۱۴۱۔

المضطر لا یاکل من المیتۃ الا قدر یسد الرمق۔[1] حالتِ مخمصہ میں مردار میں سے صرف اتنا کھانے کی گنجائش ہوتی ہے جتنے میں جان بچ سکے۔

اس لئے پیکنگ کریڈٹ کے نام سے تاجروں کا بینک سے سودی قرضہ حاصل کرنا شرعی طور پر جائز نہیں ہوگا۔

بل پرچیز B. P.

بل پرچیز کی شکل یہ ہوتی ہے کہ ایکسپورٹر کو کبھی پیشگی رقم کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ اپنے ارسال کردہ مال کے کاغذات بینک کے حوالہ کرکے ۷۰ یا ۷۵ فیصد تک مال کی قیمت بینک سے پیشگی وصول کرلیتا ہے اور جب امپورٹر کی طرف سے رقم آجاتی ہے تو بینک اپنے ضابطہ کے مطابق فیصد شرح سود وصول کرکے بقیہ رقم ایکسپورٹر کو دیدیتا ہے۔ اس کو بی۔ پی (بل پرچیز) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور اگر خدانخواستہ امپورٹر کی طرف رقم آنے میں غیر معمولی تاخیر ہوجائے تو اس تاخیر کا الگ سے شرح سود وصول کرتا ہے۔ نیز اگر رقم پھنس جائے تو بینک نے ایکسپورٹر کو جو رقم قرض کے طور پر دیا ہے اس کو پوری کی پوری مع شرح سود کے وصول کرتا ہے۔ اور ایکسپورٹر نہ دے سکے تو بذریعہ

---

[1] الاشباہ ص ۱۴۱۔

عدالت شرح سود کے ساتھ واپس وصول کرتا ہے۔

شرعی حکم بل پر چیز میں صریح سودی معاملہ ہونے کی وجہ سے شرعی طور پر ناجائز اور حرام ہوگا اور یہ معاملہ زمانہ جاہلیت کے سودی معاملہ کے مرادف ہے۔ تفسیر کبیر میں زمانہ جاہلیت کے سودی معاملہ کو ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔

ثم اذا حل الدین طالبوا	پھر جب قرض کی مدت پوری ہو جاتی ہے تو
المدیون براس المال فان	راس المال کا مطالبہ کرتے ہیں اگر مدیون
تعذر علیہ الاداء زاد وافی	ادا کرنے سے معذور ہو جائے تو شرح سود
الحق والاجل فہذا ھو الربوٰ	بڑھا دیتے ہیں اور مدت بھی بڑھا دیتے ہیں
الذی کانوا فی الجاہلیۃ	یہی سودی معاملہ زمانہ جاہلیت میں متعارف
یتعاملون بہ۔ لہ	اور معمول بہ رہا ہے۔

لہٰذا یہ معاملہ شرعی طور پر جواز کے دائرہ میں کسی طرح داخل نہیں ہو سکتا۔

شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ

لہ تفسیر کبیر ص ۱۹ ج ۷۔

لمٹ اور ضمانت

لمٹ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ قرض لینے والے کے پاس اپنی جائداد و ملکیت کے جو سرکاری کاغذات ہوتے ہیں بنیک ان کا جائزہ لے کر ان کاغذات کو اپنے پاس بطور رہن اور ضمانت کے رکھ لیتا ہے تاکہ جو رقم بنیک قرض گیرندہ کو وقتاً فوقتاً بطور قرض دیا کرے گا وہ خطرے میں نہ پڑ جائے۔ اب اگر کسی وجہ سے قرض گیرندہ رقم نہ دے سکے تو ان کاغذات کے ذریعہ سے قرض گیرندہ کی اشیائے مملوکہ کو بذریعہ عدالت فروخت کر کے بنیک اپنا قرض وصول کرلے گا۔ اسی کو لمٹ سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قرض گیرندہ ضمانتی کاغذات جمع نہیں کرپاتا ہے تو معتبر آدمی کی شخصی ضمانت کو بھی لمٹ کے درجے میں بنیک منظور کرلیتا ہے۔ شبیر احمد عفا اللہ عنہ ۲۱ جمادی الاول ۱۴۱۴ھ

ایل سی (لیٹر آف کریڈیٹ)

اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ بین الاقوامی تجارت میں جب بائع و مشتری کے درمیان خریداری کا معاملہ طے ہوجاتا ہے اور بائع کو رقم کی وصولی میں تردد ہوجائے تو بائع خریدار سے کہتا ہے کہ

رقم کی ادائیگی کے اعتماد کے لئے آپ کیا چیز پیش کریں گے تو خریدار اپنے یہاں کے بنیک کو اس کام کے لئے کفیل بالثمن بنا کر اعتماد کی رسید بھیجوا دیتا ہے اور رقم کی ادائیگی کا ذمہ دار حسب شرائط امپورٹر کا بنیک ہوتا ہے ۔ اور ایکسپورٹر ان کاغذات پر اعتماد کرکے مال روانہ کر دیتا ہے اور ایسی صورت میں پیسہ ضائع ہونے اور امپورٹر کے دھوکہ دہی کا خطرہ نہیں ہوتا ہے اور اس طرح کے معاملہ کو ایل، سی (L. C) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے پھر ایکسپورٹر کے پاس ایل، سی کے کاغذات پہونچنے کے بعد اس کی تین حالتیں سامنے آتی ہیں ۔

شکل ۱ ایکسپورٹر ایل، سی صرف اس لئے حاصل کرتا ہے کہ بعد میں اس کے مال کی رقم خطرہ میں نہ پڑ جائے اور ان کاغذات کے سہارے سے اپنے یہاں بنیک سے سودی قرض وغیرہ حاصل کرنا مقصود نہیں ہوتا ہے ۔ کیونکہ بعض تاجر ایسے ہوتے ہیں جن کو سودی قرض لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی ۔ مگر دھوکہ اور خطرہ سے بچنے کے لئے ایل، سی کھلوا لیتا ہے ۔ چنانچہ حسب شرائط تیار شدہ مال جب امپورٹر تک پہونچ جائے گا تو مال چھوڑوا لینا اس کے لئے لازم ہو جاتا ہے ۔ کیونکہ ایل، سی کے ذریعہ اس نے اپنے آپ کو پابند کر لیا ہے اس صورت میں ایکسپورٹر کے

یہاں کا بنیک ایکسپورٹر سے صرف اپنی اجرۃ العمل لیتا ہے باقی کوئی چیز نہیں لیتا ہے اور ایل سی کی یہ شکل کثرت کے ساتھ واقع ہوتی ہے

شرعی حکم ایل سی کی یہ شکل شرعی طور پر کفالت بالثمن کے دائرے میں داخل ہو کر جائز اور درست ہو جائے گی۔ صاحب ہدایہ نقل فرماتے ہیں

واذا تکفل عن المشتری بالثمن جاز لانہ دین کسائر الدیون [1]

اور جب خریدار کی طرف سے ثمن کی ذمہ داری لی جائے تو شرعی طور پر جائز ہے اس لئے کہ یہ تمام دیون و قرض کی طرح ایک دین ہے۔

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ بنایہ میں نقل فرماتے ہیں۔

لانہ دین صحیح یمکن استیفائہ من الکفیل فصحت الکفالۃ بہ کما فی سائر الدیون وکالقرض [2]

اس لئے کہ اس طرح دین صحیح ہے اس کو کفیل سے وصول کرنا ممکن ہے لہذا اس کی کفالت بھی تمام دیون و قرض کی طرح صحیح ہوگی

نیز مذکورہ معاملہ کو شرعی طور پر معاملہ حوالہ بھی کہا جا سکتا ہے اور جب ثمن کی ذمہ داری میں حوالہ کا معاملہ ہو جاتا ہے تو حسب شرائط معاملہ کے بعد بائع پر ضروری ہے کہ مال بھیجنے میں کوتاہی نہ کرے اور نہ ہی ثمن کے بہانے سے مال و مبیع کو روکے رکھنا جائز ہو سکتا ہے

ان المشتری لو احال البائع

بیشک اگر خریدار نے بائع کو ثمن وصول

---

[1] ہدایہ صہ ۱۰۳/۳ ۔ [2] بنایہ صہ ۲۴۴/۳ ۔

علی اٰخر بالثمن لایحبس المبیع ۔ ؎ — کرنے کے لئے دوسرے پر حوالہ کر دیا ہے تو بائع کو بیع روکنے کا حق نہ ہو گا۔

اس عبارت سے واضح ہو جاتا ہے کہ ایل سی میں حوالہ کے معنیٰ بھی اچھی طرح منطبق ہو سکتا ہے جو شرعی طور پر جائز ہے

شکل ۲ — ایکسپورٹر ایل سی کے کاغذات سے سودی قرض بھی بینک سے وصول کرتا ہے چنانچہ وہ ایل سی کے کاغذات وصول ہونے کے بعد بینک کو وہ کاغذات پیش کر کے سودی قرض لیکر مال تیار کرتا ہے ۔ مگر مراد آباد کے بعض تجربہ کار تاجروں سے معلوم ہوا کہ ایل سی کے باوجود بسا اوقات سودی قرض اس وقت مل سکتا ہے کہ جب اس کا لمٹ بینک میں پہلے سے موجود ہو ۔

شکل ۳ — ایکسپورٹر نے ایل سی تو حاصل کر لیا ہے مگر اس کا لمٹ اور ضمانتی کاغذات بینک میں پہلے سے موجود نہیں ہیں اور اس کو قرض لینے کی ضرورت ہے اب اگر وہ ایل سی کے کاغذات دکھا کر سودی قرض لینا چاہے تو بعض دفع بینک ایل سی کے اعتماد پر بغیر لمٹ بھی سودی قرضہ دیدیتا ہے ۔

شکل ۲، ۳ کا شرعی حکم — ایل سی حاصل کر لینے کے بعد بینک سے سودی قرضہ لینا شرعاً ناجائز اور حرام

؎ شامی کراچی ۵/۲۴۴ ۔ البحر الرائق ۶/۲۴۹ ۔ عالمگیری ۳/۳۰۶ ۔

اور مستحق لعنت ہوگا اس کی حرمت کو حدیث میں ان الفاظ سے نقل کیا گیا ہے

کل قرض جر منفعة یعنی ہر وہ قرض جس سے نفع حاصل ہوتا ہے

فھو ربوٰا ۔ [1] وہ سود ہے۔

نیز حدیث شریف میں سود کھانے والے اور کھلانے والے اور سودی معاملہ لکھنے والے، سودی معاملہ میں گواہ بننے والے سب پر لعنت آئی ہے۔

عن جابر قال لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اکل الربوٰ وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ۔ [2] حضرت جابرؓ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانیوالے اور سودی معاملہ لکھنے والے اور سودی معاملہ میں گواہ بننے والے سب پر لعنت فرمائی ہے۔

لہذا شکل ۲ اور ۳ دونوں شرعًا ناجائز وحرام ہو جائیں گی۔ اسلئے کہ دونوں میں سودی لین دین موجود ہے۔

ڈی، اے - D.A.

اس کی شکل یہ ہے کہ خریدار معاملہ طے کرتے وقت یہ کہدیتا ہے کہ نقد نہیں خرید سکتا بلکہ ادھار ہی خرید سکتا ہوں اور مال پہونچنے کے بعد طے شدہ عرصہ کے بعد رقم ادا کر سکتا ہوں۔ مثلاً پہونچنے کے

---

[1] نصب الرایہ صفحہ ۶۰ ج ۴، طحاوی شریف صفحہ ۲۲۹ ج ۲، شامی کراچی صفحہ ۱۶۶ ج ۵۔ [2] مسلم شریف صفحہ ۲۷ ج ۲

دوماہ بعد رقم ادا کرنے کا وعدہ کرتا ہے اور اس طرح ادھار فروخت کرنے پر ایکسپورٹر تیار ہو جاتا ہے تو اس قسم کے معاملہ کو ڈی اے (D.A) کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ اور اس میں بینک کو درمیان میں ذمہ دار نہیں بنایا جاتا ہے ۔

شرعی حکم شرعی طور پر یہ معاملہ ادھار خریداری کے معاملہ میں داخل ہو کر جائز ہو جائے گا۔ اور اس میں صرف مال پہونچنے کے بعد رقم کی ادائیگی کی مدت متعین کرنا لازم ہوا کرتی ہے ۔ صاحب ہدایہ اس کو ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں ۔

ویجوز البیع بثمن حال	اور نقدی اور ادھار دونوں طرح
ومؤجل اذا کان الاجل	فروخت کر دینا جائز ہے جب مدت
معلوماً۔ ؎	متعین اور مقرر ہو ۔

ڈی، اے، ایل، سی ۔ D.A.L.C.

اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ خریدار معاملہ طے کرتے وقت یہ کہہ دیتا ہے کہ نقد نہیں خرید سکتا بلکہ ادھار ہی خرید سکتا ہوں ۔

؎ ہدایہ ص۵۴ج۳ ۔ بکذا تبیین الحقائق ص۵ج۴ ۔ در مختار ص۵۳۱ج۴ ۔

اور طے شدہ عرصہ کے بعد رقم ادا کر سکتا ہوں لیکن اس میں بینک کو بائع تک رقم کی ادائیگی کے لئے درمیان میں ذمہ دار بنایا جاتا ہے۔ اور بینک اس کی طرف سے ضمانت پر اپنی شرائط کے مطابق ادائیگی کا ذمہ دار بنتا ہے۔ اسی کو ڈی 'اے' ایل' سی (D.A.L.C) سے موسوم کیا جاتا ہے۔

شرعی حکم اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ معاملہ ادھار خریداری کے دائرے میں داخل ہو کر جائز اور درست ہو جاتا ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔

ویجوز البیع بثمن حال و موجل ان کان الاجل معلوماً[1] نقدی اور ادھار دونوں طرح کی بیع جائز ہے جب کہ ادھار کی مدت متعین ہو۔

اب ڈی' اے اور ڈی' اے' ایل' سی کے درمیان صرف اتنا فرق ہوگا کہ ڈی' اے میں بینک رقم کا ذمہ دار نہیں ہوتا ہے اور ڈی' اے' ایل' سی میں بینک رقم کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

پروفارما انوائس

اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ ایک ایکسپورٹر اپنے مال کی پوری تفصیل یعنی نمونہ، ریٹ، شرائط وغیرہ کے تفصیلی کاغذات امپورٹر کے پاس بھیج دیتا ہے۔ اور امپورٹر ان تفصیلی کاغذا

[1] ہدایہ ص۵۶ ج۳، ھکذا تبیین الحقائق ص۴۴ ج۴، درمختار مع الشامی کراچی ص۵۳۱ ج۴۔

پر معاہدہ اور معاملہ کی منظوری و تصدیق کی مہر اور دستخط کر کے ایکسپورٹر کے پاس بھیج دیتا ہے جو جانبین کے درمیان درحقیقت معاہدہ کی قانونی شکل ہو جاتی ہے اس قسم کے معاملہ کو "پرو فارما انوائس" کہا جاتا ہے۔ پھر ایکسپورٹر ان کاغذات کو اپنے یہاں کے بینک میں جمع کر کے رقم بھی حاصل کر سکتا ہے۔ درحقیقت یہ معاملہ جانبین میں معاہدہ کو قانونی شکل دینے کے لئے ایک تصدیق نامہ ہوتا ہے۔

شرعی حکم اس معاہدہ نامہ کی تکمیل کے بعد ایکسپورٹر کی دو حالتیں سامنے آتی ہیں۔

ع۱ : ایکسپورٹر اس پرو فارما انوائس کو دکھا کر بینک سے سودی قرض حاصل نہیں کرتا ہے بلکہ اس کا مقصد صرف معاملہ کو جانبین سے مضبوط کرنا ہے۔ تو ایسی صورت میں تجارت میں کسی قسم کے امر ممنوع کا شائبہ نہ ہوگا اور بلاشبہ یہ معاملہ جائز ہے۔

ع۲ : دوسری حالت یہ ہے کہ ایکسپورٹر اس معاہدہ نامہ کو دکھا کر بینک سے پیکنگ کریڈٹ کے نام سے سودی قرضہ حاصل کرتا ہے تو ایسی صورت میں ایکسپورٹر تجارت کو فروغ دینے کے لئے سودی قرض لینے کی وجہ سے مستحق لعنت ہوگا اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ سود لینے والے سود دینے والے سودی

معاملہ کا معاہدہ لکھنے والے اور سودی معاملہ میں گواہی دینے والے ان سب پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔

عن جابرؓ قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٰکل الربوٰ وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ قال ھم سواء۔ ؎

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے اور سود دینے والے اور سودی معاملہ لکھنے والے اور اس میں گواہ بننے والے سب پر لعنت فرمائی ہے۔

ڈی پی - D.P.

اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ ریٹ اور نمونہ یا نمونہ کا فوٹو وغیرہ دکھا کر معاملہ طے کیا جاتا ہے اور ساتھ ساتھ یہ بات بھی طے ہوجاتی ہے کہ خریدار اس وقت تک اپنے یہاں سے رقم نہیں بھیجے گا جب تک کہ بائع کے یہاں سے مال ارسال کرنے کے کاغذات خریدار کے یہاں کے بینک کو حاصل نہ ہوجائیں تو ایکسپورٹر اس معاہدہ کو تسلیم کرکے مال تیار کرکے روانہ کردیتا ہے۔ اور جب جہاز پر سوار ہوجانے کے کاغذات ایکسپورٹر کو حاصل ہوجائیں تو ان کاغذات کو امپورٹر کے یہاں بینک کو بھیجوا دیتا ہے۔ اور جب امپورٹر کے

؎ مسلم شریف ص ۲۷ ج ۲۔

یہاں کے بینک کو کاغذات حاصل ہو جائیں تو امپورٹران کاغذات کے حساب سے بینک کو رقم ادا کر کے کاغذات وصول کر لیتا ہے اور پھر انھیں کاغذات کو دکھا کر اپنا آرڈر کردہ مال چھڑا لیتا ہے۔ اس قسم کے معاملات کو ڈی پی (D.P) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے

شرعی حکم شریعت اسلامی میں اس طرح کا معاملہ بلا تردد جائز اور درست ہے۔ اس لئے کہ اس میں کسی قسم کا سودی لین دین نہیں ہے۔ اور اس قسم کا معاملہ عقد بالرسالہ کے دائرہ میں داخل ہو جاتا ہے اور رسالت کے توسط سے عقد کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جانبین میں سے کوئی اپنے دوسرے فریق کے پاس کسی تیسرے کو زبانی یا خط دے کر بھیج دے اور یہ تیسرا شخص مرسل الیہ کے پاس پہونچ کر وہی بات بتلا دے جو مرسل نے کہنے کے لئے کہا تھا اور یا بھیجا ہوا خط پیش کر دے اور مرسل الیہ پہونچی ہوئی بات کو قبول کرلے تو جانبین کے درمیان عقد اور معاملہ شرعی طور پر مکمل اور جائز ہو جاتا ہے۔ اور ڈی پی کی شکل میں گویا خریدار مال کے کاغذات وصول ہونے سے قبل عقد کو مکمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہے اور کاغذات پہونچنے پر عقد تام اور لازم کرنے کے لئے تیار ہے اور بائع عقد کو تکمیل تک پہونچانے کے لئے جہاز کے توسط سے مال اور بینک کے توسط سے خط وکتابت جاری کر دیتا ہے یہ بین الاقوامی

تجارت کی بقا اور مضبوطی کے لئے ایک بہترین شکل ہے لہذا ایسی شکل میں بائع مرسل کے درجے میں اور خریدار مرسل الیہ کے درجے میں اور بینک ان دونوں کے درمیان رسول اور ترجمان کے درجے میں ہوگا۔ اور اس قسم کا عقد شرعی طور پر بلا تردد جائز ہے بشرطیکہ اس میں سودی لین دین نہ ہو۔

علامہ شامیؒ نے اس طرح کے معاملہ کو ان الفاظ میں نقل فرماکر جائز قرار دیا ہے۔

وصورة الارسال ان یرسل رسولا فیقول البائع بعت هذا من فلان الغائب بالف درهم فاذهب یا فلان وقل له فذهب الرسول فاخبره بما قال فقبل المشتری فی مجلسه ذلك الخ[1]

اور ترجمان کے ذریعہ سے عقد کی شکل یوں ہے کہ کسی کو ترجمان بناکر بھیج دے پس ترجمان سے کہدے کہ فلاں غائب شخص کے ہاتھ مثلاً ایک ہزار درہم میں میں نے یہ چیز فروخت کردی ہے اے فلاں (ترجمان) تم اس سے جاکر بتلادو تو ترجمان جاکر خبر دیتا ہے اور خریدار اس کو اسی وقت قبول کرلیتا ہے

ای سی جی سی E.C.G.C.

حکومت کا ایک مخصوص مالیاتی شعبہ ہوتا ہے جس کا کام یہ ہوتا ہے

[1] شامی کراچی ص ۱۲ ج ۵ ۔

کہ بین الاقوامی تجارت میں خریدار کی مالی حیثیت کی قانونی رپورٹ
ایکسپورٹر کے لئے فراہم کرتا ہے اور اس ایکسپورٹر کی ہر بین الاقوامی
تجارت کا تعلق اس شعبہ کے ساتھ ہو جاتا ہے اور ایکسپورٹر سے
اپنا حق المحنت اور اجرۃ العمل (پریمیم) وصول کر لیتا ہے اور کسی
ایک خریدار کی مالی حیثیت اپنی شرائط کے مطابق فراہم کرنے کے
بعد گویا مذکورہ شعبہ کے ساتھ ایکسپورٹر کا معاہدہ ہر آئندہ معاملہ
کے لئے مکمل ہو جاتا ہے لہذا ہر بار فروخت کردہ مال سے طے شدہ
شرائط کے مطابق پریمیم (فیس) وصول کرتا ہے اور خدانخواستہ
اگر ارسال کردہ مال کی رقم پھنس جائے یا امپورٹر نہ دینا چاہے
تو یہی شعبہ ایکسپورٹر کو اپنے پاس سے نوئے فیصد رقم ادا کر دیتا ہے
پھر بعد میں امپورٹر سے رابطہ قائم کر کے بذریعہ عدالت وصول
کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس شعبہ کے ساتھ اس طرح کے
معاملہ کو اے ای جی سی معاہدہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ۔

شرعی حکم اب سوال یہ ہے کہ یہ معاملہ شرعی نقطۂ نظر سے کیا
حیثیت رکھتا ہے تو واقعہ یہ ہے کہ شرعی طور پر یہ
معاملہ حوالہ کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز ہو جائیگا اور اسی قسم
کا ایک معاملۂ حوالہ کا شرح وقایہ کے حاشیہ میں موجود ہے ۔

والخامسة ان یکتب رجل پانچویں یہ کہ کوئی شخص حوالہ نامہ تحریر کرے

حوالة على الآخر ويد فعه الى رجل فيطلب هو من المكتوب اليه واذا قبض منه فيعطيه واخذ اجرته فلا باس بكلها الخ[1]

دوسرے کے لئے اور اس کو تیسرے کے حوالہ کر دے اور مکتوب الیہ سے مطالبہ کرے اور جب اس سے قبضہ کرے گا تو اس کو دیدیگا اور یہ تیسرا آدمی اپنے عمل اور ذمہ داری کی اجرت لے تو کوئی حرج و مضائقہ نہیں ہے ۔

اور یہ معاملہ بعنوان حوالہ و کالت کے دائرہ میں بھی داخل ہو سکتا ہے اور معاملہ حوالہ کو وکالت میں منتقل کر دینا صحیح اور درست ہو جاتا ہے اور اس مسئلہ کو کتاب الفقہ میں ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے۔

فان ذلك وكالة وان كان بلفظ الحوالة[2]

بیشک یہ وکالت ہے اگرچہ لفظ حوالہ کے ساتھ طے ہوا ہو۔

اور کبھی وکالت بالاجرۃ بھی صحیح ہوا کرتی ہے لہذا اس شعبہ کو ایکسپورٹر کا وکیل بالاجرۃ قرار دیا جائے تو بھی معاملہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ فقہ السنۃ کی عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

والوكالة قد تكون تبرعا من الوكيل وقد تكون باجر لانه تصرف لغيره لا يلزمه

اور وکالت کبھی تبرعاً بلا عوض ہوتی ہے اور کبھی عوض اور اجرت کے ساتھ ہوتی ہے اسلئے کہ وہ اپنے غیر کے لئے کام کرتا ہے جو اس پر

---

۱ حاشیہ شرح وقایہ ج ۳ ص ۱۱۹ ۔ ۲ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۳ ص ۲۱۹ ۔ ۳

فجاز اخذ العوض علیہا	لازم نہیں ہے لہذا اس پر اجرت لینا جائز
(وقولہ) وان نص فی العقد	ہو گا اور مصنف کا یہ قول بھی ہے اگر بوقت
علی اجرۃ الوکیل اعتبر	عقد وکیل کے لیئے اجرت طے کی جاتی ہے تو
اجیرًا وسرت علیہ احکام	وکیل اجیر ہو گا۔ اور اس پر اجیر کے احکام
الاجیر۔ [۱]	نافذ ہو جائیں گے۔

نیز یہ معاملہ کفالت بالمال کے دائرہ میں داخل ہو کر بھی جائز ہو سکتا ہے اور کفالت بالمال میں کفیل کے لیئے اپنے عمل کفالت کی اجرت حاصل کرنا جائز ہے۔ اسلیئے مذکورہ معاملہ جواز کے دائرہ میں آسکتا ہے [۲] صاحب ہدایہ نے کفالت بالثمن کے جواز کو ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے

واذا تکفل عن المشتری	اور جب مشتری کی طرف سے ثمن کی کفالت
بالثمن جاز لانہ دین	لی جائے تو جائز ہے اس لیئے کہ ثمن منجملہ
کسائر الدیون۔ [۳]	دیون کی طرح ایک دین ہے۔

اور کفیل اور ضامن کی اجرت کے جواز کو صاحب بدائع نے ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے۔

ولان الکفالۃ والرھن	اور اسلیئے کہ کفالت اور رہن کو اعتماد و
شرعا للتوثق والتوثق	بھروسہ کیلیئے مشروع کیا گیا ہے اور توثق و
ملائم للاجر۔ [۴]	اعتماد حصول اجرت کے لئے مناسب ہے۔

---

[۱] فقہ السنہ ص ۲۱۴/۳ کذا کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ص ۲۰۱/۳۔ [۲] مستفاد امداد الفتاوی ص ۳۲۱/۳
[۳] ہدایہ ص ۱۰۳/۳۔ [۴] بدائع الصنائع ص ۲۰/۶۔

خرید کردہ اشیاء کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا

قبضہ کی حقیقت کسی شئے پر قبضہ کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہاتھ سے قبضہ کرکے لایا جائے یا بائع کے یہاں سے حقیقی طور پر منتقل کرلیا جائے، بلکہ مفہوم قبضہ کے دائرے میں داخل ہونے کے لئے صرف اتنی بات کافی ہے کہ بائع شئے مبیع کو اپنے مال سے اس طرح الگ کرکے رکھ دے کہ خریدار جب چاہے اپنی چیز اپنی مرضی سے اٹھا کر لیجا سکے، اور اختیار سے اٹھا کر لیجانے میں اس پر کوئی پابندی یا رکاوٹ پیش نہ آئے۔ لہٰذا اگر بائع نے شئ مبیع کو اپنے مال سے اس طرح الگ کردیا ہے کہ خریدار جب چاہے لیجا سکتا ہے۔ اور اس درمیان اگر شئ مبیع بائع کی طرف سے تعدی کے بغیر ہلاک ہوجائے یا ضائع ہوجائے تو بائع پر کوئی تاوان لاگو نہ ہوگا۔ بلکہ خریدار کی ملکیت میں سے اس کے گھر میں ہلاک ہوجانے کے حکم میں ہوگا۔ اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے ہم چند فقہی جزئیات نقل کرتے ہیں۔

ولا یشترط القبض بالبراجم لان معنی القبض ھو التمکین والتخلی وارتفاع الموانع عرفاً وعادۃً حقیقۃً الخ[1]

قبضہ حاصل ہونے کے لئے ہاتھ سے قبضہ کرکے لانا شرط نہیں ہے۔ اس لئے کہ قبضہ کے معنی صرف قبضہ کرنے پر قادر ہونے اور بائع کا خریدار کے سامنے سامان کو چھوڑ دینے کے ہیں۔ اور لوگوں کے عرف میں صحیح معنی میں قبضہ کرنے میں رکاوٹ دور ہوجانے کے ہیں

---

[1] بدائع ص ۱۴۸ ج ۵۔

صاحبِ بدائع نے آگے چل کر مزید وضاحت فرمائی ہے۔

ثم لا خلاف بین اصحابنا فی ان اصل القبض یحصل بالتخلیۃ فی سائر الاموال الخ لہ	حضرات فقہائے احناف کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اصل قبضہ تمام اموال میں بائع کی طرف سے محض اختیار دینے اور سامنے رکھ دینے سے حاصل ہو جاتا ہے

اور صاحبِ بدائع نے ایک جزئیہ اس سے بھی واضح نقل فرمایا ہے۔

تفسیر التسلیم والقبض فالتسلیم و القبض عندنا ھو التخلیۃ والتخلی وھو ان یخلی البائع بین المبیع وبین المشتری من التصرف فیہ فیجعل البائع مسلماً للمبیع والمشتری قابضاً لہ۔ الخ ؎	خریدار کو مال مبیع سونپنے اور اسکے قبضہ کرنے کی تفصیلی وضاحت ہمارے علماء احناف کے نزدیک یہی ہے کہ خریدار کے لئے تخلیہ کر دیا جائے اور تخلیہ کا مطلب یہ ہے کہ بائع مبیع کو خریدار کے لئے اس طرح پیش کر دے کہ درمیان سے رکاوٹ اس طرح دور ہو جائے کہ مشتری کو اس

میں تصرف کرنے میں پوری طرح قدرت حاصل ہو جانے تو کہا جائے گا بائع نے مبیع کو سونپ دیا اور مشتری نے قبضہ کر لیا ہے۔

قابلِ انتقال اشیاء کی بیع قبضہ سے پہلے

اشیاء منقولہ ایسی اشیاء کو کہا جاتا ہے جن کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا

لہ بدائع ص ۲۴۴ ج ۵ ؎ بدائع الصنائع ص ۲۴۴ ج ۵

ممکن ہو اور ایسی اشیاء پر قبضہ کے ثبوت کے لئے اتنا کافی ہے کہ بائع کی طرف سے مشتری کو قبضہ پر آزادانہ قدرت حاصل ہو جائے۔ لہٰذا قبضہ پر آزادانہ اختیار حاصل ہونے کے بعد مشتری کے لئے ان اشیاء میں تصرف کرنا اور دوسروں کے ہاتھ فروخت کرنا سب بلا کراہت جائز اور درست ہے۔ اس مسئلہ کو علامہ علاء الدین کاسانیؒ نے بدائع الصنائع میں ان الفاظ سے ذکر فرمایا ہے۔

لا خلاف بین اصحابنا فی اصل القبض یحصل بالتخلیۃ فی سائر الاموال ؎

ہمارے فقہاء احناف کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ہر قسم کے اموال میں خریدار کو آزادانہ اختیار حاصل ہونے سے قبضہ کا حکم ثابت ہو جاتا ہے۔

قابلِ انتقال اشیاء کے اقسام

جو اشیاء منتقل کئے جا سکتے ہیں ایسی اشیاء کل چار قسموں پر ہیں۔

۱۔ کیلی اشیاء۔ جیسا کہ دودھ اور تیل وغیرہ، جو کہ اکثر ممالک میں کیل کر کے فروخت کیا جاتا ہے۔ اور قدیم زمانہ میں گیہوں چاول وغیرہ بھی کیل ہی کر کے فروخت کیا جاتا تھا، لہٰذا ایسی اشیاء کو کیل کر کے الگ کر دینے سے مشتری کا قبضہ ثابت ہو جائے گا۔

۲۔ وزنی اشیاء۔ جیسے دھات، سونا، چاندی، پیتل، تانبا، رانگ، المونیم لوہا وغیرہ، اور اسی طرح اس زمانہ میں چاول گیہوں وغیرہ بھی وزن کر کے فروخت کیا جاتا ہے۔ لہٰذا ایسی اشیاء کو وزن کر کے الگ کر دینے سے قبضہ ثابت ہو جائیگا۔

۳۔ زرعی اور پیمائشی اشیاء جیسے کپڑے وغیرہ جو پیمائش سے فروخت کیا جاتا ہے لہٰذا ایسی اشیاء کو پیمائش کر کے الگ کر دینے سے قبضہ ثابت ہو جائے گا۔

۴۔ عددی اشیاء جس کو شمار اور گنتی سے فروخت کیا جاتا ہے۔ جیسے انڈے، جانور، گاڑی وغیرہ تو ایسی اشیاء کو شمار کر کے الگ کر دینے سے قبضہ ثابت ہو جائیگا۔

اور ان چاروں قسم کی اشیاء کو الگ کر دینے کے بعد ثبوتِ قبضہ کے لئے آزادانہ قدرت حاصل ہونا بھی شرط ہے، علامہ کاسانیؒ نے بدائع الصنائع میں ان مسائل کو ان عبارت میں نقل فرمایا ہے۔

وان باع مكايلةً اوموزونةً فى المكيل والموزون وخلى فلاخلاف فى ان المبيع يخرج عن ضمان البائع ويدخل فى ضمان المشتري الخ ۔[1]

اور اگر کیلی چیز کو کیل کر کے اور وزنی چیز کو وزن کر کے الگ کر دیا ہے تو اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ شئے بائع کے ذمہ سے نکل کر خریدار کے ذمہ میں داخل ہو جاتی ہے۔

فان كان ممالامثل له من المذروعات والمعدودات المتقاربة فالتخلية فيها قبض تام بلاخلاف ۔[2]

اگر اشیاء مثلی نہ ہوں بلکہ پیمائشی اور گنتی کی اشیاء ہوں تو ان میں الگ کر کے اختیار دینے سے بالاتفاق مکمل قبضہ حاصل ہو جاتا ہے۔

اب مذکورہ دلائل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عددی اور پیمائشی اشیاء جیسے گاڑی کپڑے، کتاب، جانور وغیرہ کا سودا مکمل ہو جانے کے بعد جب بائع مشتری کو قبضہ

---

[1] بدائع الصنائع ص ۲۴۴، ج ۵ [2] بدائع ص ۲۴۴ ج ۵

کا اختیار دیدیگا تو بائع کی ملکیت سے نکل کر مشتری کی ملکیت میں داخل ہوجاتی ہیں لہٰذا مشتری کو اپنے یہاں منتقل کرنے سے قبل ان اشیاء میں تصرف کرنے اور دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنے کا پوری طرح حق حاصل ہوجاتا ہے۔ البتہ کیل کر یا تول کر فروخت کی جانے والی اشیاء کو مشتری اگر فروخت کرنا چاہے تو دوبارہ کیل یا وزن کرنا لازم ہوتا ہے۔

غیر منقول اشیاء کی بیع قبضہ سے پہلے

غیر منقول اشیاء مثلاً زمین، تجارتی پلاٹ، عمارت، دوکان وغیرہ جائیداد کا صرف سودا اور معاملہ طے ہوجانے کے بعد خریدار کے لئے دوسرے کے ہاتھ فروخت کردینا جائز اور درست ہے لیکن محض سودا طے ہوجانے کے بعد منقول اشیاء مثلاً گیہوں، چاول، مشین، گاڑی وغیرہ کی فروختگی جائز نہیں ہے جب تک کہ آزادانہ قبضہ پر قدرت حاصل نہ ہوجائے۔ اور منقول اشیاء کے احکام و شرائط ابھی ابھی پچھلے باب میں گذر چکے ہیں۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔

ویجوز بیع العقار قبل القبض عند ابی حنیفۃ وابی یوسف [۱]

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک غیر منقول اشیاء کی فروختگی قبضہ سے پہلے جائز ہے۔

اما بیع الاعیان غیر المنقولۃ قبل قبضہا کبیع الارض والضیاع والنخیل و

بہرحال اشیاء غیر منقولہ کو قبضہ سے قبل فروخت کرنا مثلاً زمین جائیداد

---

[۱] ہدایہ ص ۵۸ ج ۳

الدور ونحو ذلك من الاشياء الثابتة التي لا يخشى هلاكها فانه يصح[1] — باغات، مکانات اور ان جیسی اشیاء جو قائم وثابت ہیں جن کی ہلاکت کا کوئی خطرہ نہیں ہے صحیح ہے۔

قبضہ سے قبل ثمن وقیمت میں تصرف

اشیاء کو فروخت کرنے والا جب شئے کو فروخت کرنے کے لیے سوداطے کرلیا ہے اور ابھی خریدار نے رقم ادا نہیں کیا ہے تو اس رقم کو وصول کرنے سے قبل اس میں تصرف کرنا بائع کے لئے جائز اور درست ہے۔ لہٰذا قبضہ سے قبل کسی کا لازم شدہ قرض اس طرح ادا کرسکتا ہے کہ فلاں کے پاس میری رقم ہے اس سے میری طرف سے وصول کرلینا، اور اس طرح کوئی بھی تصرف کرسکتا ہے۔

حضرت علامہ علاء الدین حصکفیؒ اس مسئلہ کو ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں۔

وجواز التصرف فی الاثمان والدیون کلها قبل قبضها[2] — قبضہ سے قبل ثمن، دین سب میں تصرف کرنا جائز ہے۔

زمین، دوکان، مکان، باغ وغیرہ کو گروی رکھنا

کسانوں میں عام طور سے اس طرح کا معاملہ رائج ہے کہ کسی مالک زمین کو پیسہ کی

---

[1] کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعہ ص ۲۲۴ ج ۲ [2] درمختار کراچی ص ۱۵۳ ج ۵ -

سخت ضرورت ہوتی ہے۔ اور کوئی شخص اس کو قرض دینے پر بھی تیار نہیں ہوتا ہے
اور وہ اپنی زمین کو بالکل فروخت کرنا نہیں چاہتا ہے۔ اور اگر قرض لینے کے لیے
اپنی زمین کو اس طرح گروی رکھنا چاہے کہ اس سے قرض دینے والا فائدہ نہیں اُٹھا سکتا
تو ایسی صورت میں کوئی شخص قرض دینے پر بھی راضی نہیں ہوتا، تو ایسی تباہ کن حالت
میں مالکِ زمین مجبور ہو کر اپنی زمین کو اس طرح گروی پر دیکر قرض حاصل کرتا ہے کہ قرض
دینے والا اس وقت تک اس زمین کی پیداوار سے فائدہ حاصل کرتا رہیگا جب تک
قرض وصول نہ ہو جائے تو اس طرح کا معاملہ شرعاً جائز نہیں ہے، اور نہ ہی قرض
دہندگان کے لیے اس درمیان میں زمین سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ اسی طرح باغات
مکانات، دوکان وغیرہ کسی بھی جائیداد کو فائدہ اٹھانے کی شرط پر گروی رکھنا
جائز نہیں ہے۔

لانّ المرتهن لا یجوز له الانتفاع بالرّهن اصلاً۔[1]	اس لئے کہ مرتہن کے لئے شئی مرہون سے فائدہ اٹھانا بالکل جائز نہیں ہے

ہاں البتہ گروی شدہ جائیداد سے قرض دینے والے کے فائدہ اٹھانے کے جواز کی
ایک نئی شکل حضراتِ فقہاء نے نکالی ہے جس کو بیع الوفا کہا جاتا ہے۔ جو تفصیل سے ذیل
میں بیان کی جاتی ہے۔

بیع الوفا کی حقیقت کوئی شخص صاحبِ ضرورت ہے اس کو روپیہ کی ضرورت
ہے، اور کہیں سے اُدھار بھی نہیں ملتا، اور اس کے

---

[1] بدائع الصنائع ص ۱۴۵ ج ۶

پاس مکان یا دوکان یا زمین وغیرہ موجود ہے، اور اس کو رہن میں رکھ کر روپیہ حاصل کرنا چاہتا ہے مگر رہن میں رکھنے کی صورت میں مرتہن اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کرسکتا اس لئے کوئی شخص رہن رکھ کر بھی قرض دینے پر تیار نہیں، اور صاحب جائیداد اس ضرورت کی وجہ سے اپنی ہمیشہ کی ضرورت کی جائیداد کو بالکلیہ فروخت کرنا بھی نہیں چاہتا تو اس طرح حاجتمند کی ضرورت پوری کرنے کے لئے فقہاء نے عقد کی ایک نئی شکل نکالی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مکان یا دکان یا زمین وغیرہ صاحب ضرورت شخص اس طرح فروخت کرے کہ فروخت شدہ جائیداد مشتری کے پاس من کل الوجوہ امانت تو نہیں مگر مثل امانت کے ہوگی کہ مشتری اس سے فائدہ تو اٹھا سکتا ہے مگر اس کو فروخت نہیں کرسکتا، اور فائدہ اٹھانے کا سلسلہ اس وقت تک باقی رہے گا جب تک کہ بائع لی ہوئی پوری رقم واپس نہ کردے۔ اور جب بائع رقم واپس کردے گا تو مشتری پر لازم ہوگا کہ اتنی ہی رقم لیکر جائیداد واپس کردے جتنی میں اس نے بائع کو دیا تھا اور اس عقد کو بیع الوفا، بیع الامانت، بیع الرہن وغیرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ علامہ ابن نجیم مصریؒ "البحر الرائق" اور علامہ فخر الدین زیلعیؒ "تبیین الحقائق" میں اس عقد کی نوعیت کو ان الفاظ سے نقل فرماتے ہیں۔

وصورته ان یقول البائع للمشتری بعت منك هٰذا العین بدین لك علیّ علی انی متی قضیت الدّین فهو لی

اور اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ بائع مشتری سے یوں کہدے کہ میں تیرے ہاتھ یہ شئی اس قرض کے عوض فروخت کرتا ہوں جو تیرا میرے

او یقول البائع بعتك هٰذا بكذا	اُوپر لازم ہے اس شرط پر کہ جب میں قرض
علیٰ انی متی دفعت لك الثمن تدفع	ادا کر دوں گا تو وہ شئی میری ہو جائے گی، یا
العین الیّ الخ[1]	یوں کہدے کہ یہ شئی اتنے میں اس شرط کے ساتھ

تیرے ہاتھ فروخت کرتا ہوں کہ جب میں ثمن واپس دیدونگا تب تو وہ شئی مجھ کو واپس کر دیگا۔

بیع الوفاء کا جواز

اس عقد کے جواز اور عدمِ جواز میں فقہاءِ متاخرین میں دو فریق ہو گئے، حضرت امام ظہیر الدین اور صدر الشہید اور تاج الاسلام وغیرہ نے شرط فاسد کی وجہ سے اس عقد کو فاسد قرار دیا ہے۔ اور امام ابو شجاع اور امام علی سُغدی اور قاضی حسن ماتریدیؒ وغیرہ نے رہن سے انتفاع کے جائز ہونے کی وجہ سے اس عقد کو ناجائز قرار دیا ہے۔

علامہ زیلعیؒ اس کو ان الفاظ سے نقل فرماتے ہیں۔

منہم الامام ظہیر الدین والصدر	فقہاء میں سے امام ظہیرین اور صدر الشہید
الشہید حسام الدین والصدر السعید	حسام الدین اور صدر السعید تاج الاسلام
تاج الاسلام فجعلوہ فاسداً باعتبار	نے اس کو فسخ کی شرط کی وجہ سے عقد فاسد
شرط الفسخ (الیٰ قولہ) ومنہم من جعلہ	قرار دیا ہے (زیلعیؒ فرماتے ہیں) اور فقہاء میں
رهنًا منہم السید الامام ابو شجاع	سے جن لوگوں نے اس کو رہن قرار دیا ہے

---

[1] البحر الرائق ج ۶، زیلعی ص ۱۸۳ ج ۵۔

والامام علی السغدی والامام القاضی حسن الماتریدی قالوا لما شرط علیه اخذہٗ عند قضاء الدین اتی بمعنی الرھن (الی قولہ) فاذا کان رھنًا لایملکہٗ ولاینتفع بہٖ الخ[1]

ان میں سید امام ابو شجاع اور امام علی سغدیؒ اور امام حسن ماتریدی وغیرہ شامل ہیں، ان لوگوں نے کہا کہ جب قضاء دین کے وقت واپسی کی شرط لگائی ہے تو رہن کا معنی ادا کرتا ہے پس جب رہن ثابت ہوگا تو مرتہن اس کا مالک نہ ہوگا اور نہ ہی اس سے انتفاع جائز ہوگا۔

فریق ثانی

مشائخ سمرقند اور مشائخ بلخ اور مشائخ بخارا نے مفلسین اور حاجتمندوں کی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے مذکورہ بیع الوفاء کو جائز قرار دیا ہے۔ اور امام نجم الدین نسفیؒ نے نقل فرمایا ہے کہ ان کے زمانہ کے تمام مشائخ نے متفق ہوکر اس معاملہ کو جائز قرار دیتے ہوئے بہت سے احکامِ بیع کے لئے مفید ثابت کیا ہے۔

اور صاحب نہایہ نے اس کے جواز کے قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے۔ اور علامہ زین الدین ابن نجیم مصریؒ نے دیون کی کثرت کے زمانہ میں بیع الوفاء کی صحت وجواز پر فتویٰ کا حکم فرمایا ہے۔

ومن مشائخ سمرقند من جعلہ بیعًا جائزًا مفیدًا لبعض احکامہ ومنھم الامام نجم الدین نسفی فقال

اور مشائخ سمرقند میں سے وہ مشائخ بھی ہیں جو اس بیع کو جائز قرار دیتے ہیں جو بعض احکام بیع کے لئے مفید ہے، اور ان میں سے

---

[1] زیلعی ص ۱۸۳ ج ۵۔

اتفق مشائخنا فی هٰذا الزمان فجعلوه بیعًا جائزًا مفیدًا بعض احکامه وهٰذا الانتفاع به دون البعض وهو البیع لحاجة الناس الیه ولتعاملهم فیه (الیٰ قوله) وقال صاحب النهایة وعلیه الفتویٰ۔ ؎۱

امام نجم الدین نسفیؒ نے کہا کہ اس زمانہ کے مشائخ اس عقد کے جواز پر متفق ہیں۔ یہ عقد بعض احکام کو مفید ہے مثلاً بیع سے انتفاع حاصل کرنا اور بعض کو مفید نہیں۔ مثلاً فروختگی کے عدم جواز، اور یہ عقد لوگوں کی ضرورت اور تعامل کی وجہ سے جائز ہے، اور صاحب نہایہ نے کہا ہے کہ اس کے جواز ہی پر فتویٰ ہے۔

اور علامہ ابن نجیم مصریؒ الاشباہ میں اس کے جواز کو ان الفاظ میں بھی نقل فرماتے ہیں۔

ومن هٰذا القبیل بیع الامانة المسمّٰی ببیع الوفاء جوزه مشائخ بلخ وبخاری توسعة الخ ؎۲

اور اسی قبیل میں سے بیع الامانت ہے جس کو بیع الوفاء کہا جاتا ہے، اس کو مشائخ بلخ و مشائخ بخاری نے لوگوں کے لئے وسعت دیتے ہوئے جائز قرار دیا ہے۔

ومنها الافتاء بصحة بیع الوفاء حین کثر الدین علی اهل بخاری وهٰکذا بمصر وسمّوه بیع الامانة والشافعیة یسمّونه الرهن المعاد ؎۳

اور ان میں سے بیع الوفا کی صحت پر فتویٰ ہے۔ جب اہل بخاری پر دیون کا سلسلہ زیادہ ہو گیا تھا اور اسی طرح مصر میں بھی جواز کا فتویٰ ہے، اور اسکو بیع الامانۃ کہا جاتا ہے اور شافعیہ نے اسکا نام رہن معاد رکھا ہے۔

؎۱ زیلعی ص۱۸۴ ج۵ ؎۲ الاشباہ ص۱۳۰ ؎۳ الاشباہ ص۱۴۹ وہکذا ص۱۶۱

مناسب و معتدل حکم

اب معلوم ہوا کہ بیع الوفاء کے جواز و عدمِ جواز میں فقہائے متاخرین اور اساطین امت کے مابین اختلاف واقع ہو چکا ہے۔ اور دونوں طرف ایسے ایسے فقہاء ہیں جن کے قول و رائے کو دلیلِ شرعی مانا جاتا ہے۔ اور لوگوں کی ضرورت اور تعاملِ ناس جواز کے قائلین کے موافق ہے۔ اور تعاملِ ناس اور عرف کو شرعی طور پر الثابت بالعرف کالثابت بالنص [۱] کے قاعدہ سے حجتِ شرعیہ کا درجہ بھی حاصل ہے۔ اور حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے امداد الفتاویٰ میں فریق اوّل کے دلائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے اصولاً عدمِ جواز کو ثابت کیا ہے۔ اور بوقتِ ضرورت فریق ثانی کے قول پر عمل کی اجازت دی ہے۔ [۲]

اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ نے فتاویٰ خلیلیہ میں بیع الوفاء کو جائز قرار دیتے ہوئے یہ شکل پیش فرمائی ہے کہ دستاویز لکھتے وقت بیع کو مطلق عن الشرط رکھا جائے، اور بیع مع الشرط کی عبارت اور قید نہ لگائی جائے تاکہ فقہاء متاخرین کے دونوں فریق کے قول پر عمل ثابت ہو جائے [۳] اس لئے ضرورت اور حاجتِ ناس کی وجہ سے مشائخ سمرقند اور مشائخ بلخ اور مشائخ بخارا اور امام نجم الدین النسفی اور صاحبِ نہایہ وغیرہم کے فتویٰ کے مطابق اس زمانہ میں بیع الوفاء کے جواز پر فتویٰ دینا اولیٰ اور انسب ہوگا۔

---

[۱] عقود رسم المفتی ص ۹۳ [۲] مستفاد امداد الفتاویٰ ص ۱۰۷ ج ۳ [۳] مستفاد فتاویٰ خلیلیہ ص ۳۹۵ ج ۱۔

زمین، باغات، دوکان، مکان کو کرایہ پر دینا

اگر زمین، باغات، دوکان، مکان وغیرہ کو اس طرح کرایہ پر دیا جائے کہ مثلاً سالانہ ایک ہزار روپیہ کرایہ مقرر ہو جائے، اور جائیداد کرایہ پر لینے والے کو یہ اختیار حاصل ہو جائے کہ اس میں اس درمیان زمین میں کوئی چیز بو کر اس کی پیداوار کا فائدہ اٹھایا کریگا، اور باغات میں پھلوں کے ساتھ ساتھ زمین میں کوئی چیز بو کر فائدہ اٹھانے کا بھی اختیار حاصل ہو جائے۔ اور مکان، دوکان سے حسب موافق فائدہ اٹھایا کرے گا، تو اس طرح کا معاملہ شرعی طور پر جائز اور درست ہے۔ صاحب ہدایہ نے ان مسائل کو ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے۔

ومن استاجر ارضًا علیٰ ان یکریھا ویزرعھا ویسقیھا فھو جائز الخ[1] وان استاجر دارًا سنۃً بعشرۃ دراہم جائز وان لم یبین قسط کل شھر من الاُجرۃ۔[2]

جو شخص زمین کو اس طرح کرایہ پر لے کہ اسکو جوت کر کھیتی کریگا اور خود ہی اس کی سیرابی کریگا تو جائز اور درست ہے، اور اگر مکان کو سالانہ دس درہم کے عوض کرایہ پر لیتا ہے تو جائز ہے اگرچہ ماہانہ کرایہ کی ماہانہ مقدار نہ بیان کی گئی ہو۔

باغات کی فصل فروخت کرنا

اگر باغات میں پھل آنے کے بعد فصل فروخت کی جائے تو حکم شرعی یہ ہے

---

[1] ہدایہ منہ ۲۹/۳ [2] ہدایہ ص ۲۸۶ ج ۳۔

کہ اسی وقت خریدار پھل توڑ کر لیجائے اور باغ خالی کردے تب معاملہ جائز ہو سکتا ہے مگر آجکل لوگوں میں رواج یہ ہے کہ پھل آنے کے بعد فصل فروخت کی جاتی ہے، اور عرف میں یہ شرط کے درجہ میں ہوگیا ہے کہ پھل پک جانے تک توڑے گا نہیں تو فصل کی فروختگی کی یہ شکل شرعاً بیع فاسد کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز نہیں ہے۔ ہاں البتہ جواز کی یہ شکل نکل سکتی ہے کہ بلا شرط کے فصل فروخت ہو جائے اور خریدار مالک سے یہ اجازت لے لے کہ پکنے تک کے لئے پھلوں کو درختوں پر چھوڑے رکھیں، یا مالک خود ہی زبانی اجازت دیدے تو شرعاً جواز کے دائرے میں داخل ہو جائے گا، مگر معاملہ طے کرتے وقت یا اس سے قبل کی اجازت کا اعتبار نہیں ہے، بلکہ بعد میں اجازت شرط ہے۔ صاحب ہدایہ نے جواز کے مسئلہ کو ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے۔

ولو اشتراها مطلقاً وترکها باذنِ البائع طاب له الفضل الخ (هدایه)[1]

اور اگر بلا شرط مطلقاً خرید لیا ہے اور بعد میں بائع کی اجازت سے پھلوں کو درخت پر چھوڑ دیا ہے تو پھلوں کی زیادتی اور اضافہ خریدار کے لئے حلال ہے۔

اور پھل آنے سے قبل جواز کی وہی شکل ہو سکتی ہے جو زمین کی کرایہ داری کے تحت گذر چکی ہے۔

بیع کی یہ شکل بھی جائز نہیں ہے کہ پھل آنے سے قبل دو دو، تین تین سال کیلئے فصل فروخت کر دیتے ہیں۔ اور باغ کی زمین میں خریدار کو تصرف کا حق نہیں دیا جاتا ہے اس لئے کہ یہ شئی معدوم کی بیع کے دائرہ میں داخل ہو کر ناجائز اور فاسد ہے۔

---

[1] ہدایہ ج ۳ ص ۲۴

فلو ينعقد بيع المعدوم وماله خطر العدم كالحمل واللبن فى الضرع والثمر قبل ظهوره الخ [1]

پس معدوم شئی اور ہر ایسی شئی کی بیع جائز نہیں ہے جو معدوم ہونے کے خطرے میں ہو، جیسے حمل اور تھن میں دودھ، اور ظاہر ہونے سے پہلے پھلوں کی بیع۔

کرایہ پر زمین لیکر پھر واپس مالک کو بٹائی پر دینا

زمین کو اس طرح بھی کرایہ پر دیا جاتا ہے مثلاً پانچ سال کے لئے پانچ ہزار روپیہ میں کرایہ پر دیدے، اور معاملہ اس طرح طے ہو جائے کہ سالانہ ایک ہزار روپیہ کرایہ میں مجرا ہو جایا کرے گا اور پانچ سال میں پانچ ہزار روپیہ کرایہ میں مجرا ہو کر زمین مالک کو واپس مل جائے گی، اس طرح لین دین مکمل ہو جانے کے بعد پھر کرایہ دار مالک زمین کو زمین کی پیداوار کے نصف یا سدس یا ربع وغیرہ کے حساب سے بٹائی پر دیتا ہے تو شرعی طور پر اس طرح مالک زمین کے ہاتھ بٹائی پر دینا جائز اور درست ہے، لیکن اس میں ایک شرط کی پابندی لازم ہے کہ کھیتی کرنے میں بیج کرایہ دار کی طرف سے ہو، اور بقیہ لوازمات چاہے تنہا مالک زمین کی طرف ہو یا دونوں شریک ہو جائیں جائز اور درست ہے۔ اس مسئلہ کو علامہ علاء الدین حصکفیؒ نے ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے۔

دفع الارض المستاجر من الآجر مزارعة جاز ان البذر من المستاجر الخ [2]

کرایہ پر زمین کو مالک زمین کے ہاتھ بٹائی پر دیدیا تو جائز ہے اگر بیج کرایہ دار کی طرف سے ہو

---

[1] شامی کراچی ص۵۰۵ ج۴، بدائع الصنائع ص۱۳۸ ج۵، عالمگیری ص۲ ج۳ [2] در مختار کراچی ص۲۸۴ ج۶

اور فتاوی بزازیہ میں مزید وضاحت سے اس کو واضح کیا گیا ہے، وہ اسمیں لکھتے ہیں

وعنه اى محمد استاجر ارضًا ودفعها الى صاحبها مزارعة فان البذر من قبل ربها لو يجز وان من قبل المستاجر جاز۔ لہ

حضرت امام محمد سے مروی ہے کہ کسی نے زمین کو کرایہ پر لیکر پھر مالک زمین کو بٹائی پر دیدیا ہے تو اگر بیج مالک زمین کی طرف سے ہے تو معاملہ جائز نہیں ہے، اور اگر بیج کرایہ دار کی طرف سے ہے تو جائز اور درست ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ مالک کو بٹائی پر دینے کے لئے بیج کرایہ دار کی طرف سے ہونا لازم ہے۔ اور مالک زمین کی طرف سے ہو تو معاملہ جائز نہ ہوگا۔

جائداد کی خریداری میں بیعانہ کا حکم

بیعانہ کی شکل یہ ہوتی ہے کہ جائیداد کی خریداری میں بیع نامہ یا اقرار نامہ تحریر میں لاکر لین دین معاملہ مکمل کرنے سے پہلے خریدار کی جانب سے کچھ پیشگی رقم دیجاتی ہے اور پھر پوری ادا کرکے حساب بیباق کرتے وقت اس کو قیمت میں وضع کر لیا جاتا ہے تو اس طرح کا بیعانہ دینا جائز اور درست ہے، لیکن آجکل لوگوں میں دستور ہوگیا ہے کہ اگر کسی وجہ سے خریدار طے شدہ جائداد لینے سے مجبور ہو جائے تو خریدار کو بیعانہ کی رقم واپس نہیں دی جاتی ہے، بلکہ وہ رقم بائع اپنی ملکیت میں شامل کر لیتا ہے۔

لہ فتاوی بزازیہ ص ۱۰۰ ج ۶،

توشرعی طور پر بائع کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ اور وہ رقم اس کے لیے حلال نہیں ہوگی۔ بلکہ واپس کردینا واجب ہے۔ [1]

نیز اس طرح کا معاملہ قمار اور جوا کے مشابہ بھی ہے۔ اس لئے بیعانہ کی رقم بائع کے لیے مفت میں رکھ لینا ناجائز اور حرام ہوگا، حدیث میں اس کی سخت ممانعت آئی ہے۔

ان النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن بیع العربان قال ابوعبد اللہ العربان ان یشتری الرجل دابۃ بمائۃ دینارٍ فیعطیہ دینارین عربونا فیقول ان لم اشتر الدابۃ فالدیناران لک، الحدیث۔ [2]

بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اڈوانس رقم دیکر نہ لینے کی شرط سے منع فرمایا ہے، ابوعبد اللہ فرماتے ہیں کہ اڈوانس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ کوئی شخص مثلاً سو دینار میں ایک جانور خریدے پھر اڈوانس دو دینار یہ کہہ کر دیدے کہ اگر میں جانور نہ خرید سکا تو دونوں دینار تمہارے لیے ہیں

اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس طرح پیشگی دی ہوئی رقم کی وجہ سے بیع نہ لے سکنے پر واپس نہ کرنے کی شرط کو قمار کے مُرادف قرار دیا ہے۔

وفیہ معنی المیسر الخ [3]

اور اس میں قمار کا معنی موجود ہے۔

---

[1] مستفاد فتاویٰ محمودیہ ص۱۷ ج۱۴ [2] ابن ماجہ شریف ص۱۵۹ [3] حجۃ اللہ البالغہ ص۱۰۸ ج۲ ،

دھات کا جانور

یہاں یہ بات پہلے سے ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ جاندار کی تصویر اور صورت بنانے کا حکم اور اس کی تجارت کا حکم بالکل الگ الگ ہے۔ اس لئے دونوں کا حکم الگ الگ سرخیوں سے بیان کیا جاتا ہے۔

تانبا، پیتل وغیرہ دھات کے جانور بنانا

بین الاقوامی تجارت میں یورپین ممالک کے خریدار ایکسپورٹر کے پاس دھات کے جانوروں کا اونچے پیمانے پر آرڈر بھیجتے ہیں، اور ایکسپورٹر ان آرڈروں کو قبول کر کے اپنے کاریگروں کو دھات کے جانور بنانے کا آرڈر دیتا ہے، تو کیا جانور بنانے والے کاریگر کے لئے آرڈر کے مطابق جانور بنانا جائز ہے یا نہیں، تو اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب ان لوگوں پر ہوگا جو کسی جاندار کی تصویر اور شکل بناتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا کہ تم ہی اس میں جان ڈالدو، اور وہ جان نہ ڈال سکیں گے، جس کی وجہ سے ان پر مسلسل سخت ترین عذاب ہوتا رہیگا۔ اس لئے مسلم کاریگروں پر لازم ہے کہ ایسا آرڈر لینے سے صاف انکار کر دیں، رزق کا مالک خدائے رزاق ہے۔ وہ سب کو رزق دیتا ہے، اس لئے اس کی پرواہ نہ کریں۔ نیز اس عذاب میں آرڈر دینے والے بھی آرڈر دینے کی وجہ سے شامل ہوں گے کیونکہ بنانے میں ان کا بھی بڑا دخل ہے۔ ملاحظہ کیجئے

بخاری ومسلم کی حدیث میں کتنی بڑی وعید وارد ہوئی ہے۔

عن عبد اللہ بن مسعودؓ قال سمعت النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انّ اشدّ النّاس عذابًا عند اللہ المصوّرون۔ الحدیث [۱]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ بیشک اللہ کے یہاں سب سے زیادہ سخت ترین عذاب میں وہ لوگ مبتلا ہوں گے جو جانداروں کی تصویر بناتے ہیں۔

اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ جانداروں کی صورت وشکل بنانے والوں سے کہا جائے گا کہ جن کو تم نے بنایا ہے ان میں تم خود جان ڈالدو اور ان کو زندہ کرو، حالانکہ یہ لوگ اس پر قادر نہ ہوں گے جس کی وجہ سے مسلسل عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

عن ابن عباسؓ قال سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول من صوّر صورۃً فی الدّنیا کلف ان ینفخ فیھا الرّوح یوم القیٰمۃ ولیس بنافخ۔ الحدیث [۲]

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ جو شخص اس دنیا میں کسی جاندار کی شکل بناتا ہے اس کو قیامت کے دن اس کا مکلف بنایا جائیگا کہ وہ اس میں روح پھونکدے، اور وہ اس میں روح نہ ڈال سکے گا۔

لہٰذا کتا، بلی، ہاتھی، ہرن، بیل وغیرہ چوپائے نیز پرندوں میں کسی قسم کے جاندار کی صورت وشکل بنانا ہرگز جائز نہ ہوگا۔ نیز جس طرح دھات سے بنانا حرام ہے

---

[۱] بخاری شریف ص ۸۸۰ ج ۲، مُسلم شریف ص ۲۰۱ ج ۲، [۲] بخاری شریف ص ۸۸۱ ج ۲، مُسلم شریف ص ۲۰۲ ج ۲،

اسی طرح اگر قلم سے نقاشی کی جائے یا پریس وغیرہ سے چھاپا جائے یا فوٹو کے ذریعہ سے عکس کو قائم کیا جائے تو یہ بھی بالاجماع حرام ہے۔ [۱]

اور اگر مشرکین کی عبادت کی اشیاء مثلاً مورتی وغیرہ بنائی جائے تو اور زیادہ حرام اور گناہِ کبیرہ اور عذاب الٰہی کا باعث ہوگا، نیز یہ تمام امورِ کفر میں براہِ راست تعاون کرنے کے مُرادف ہیں۔ ہاں البتہ غیر جاندار مثلاً عمارت، درخت پھل پھول وغیرہ کی تصویر بنائی جاتی ہے تو یہ بالاتفاق جائز ہے۔ [۲]

دھات کے مجسمہ جانوروں کی تجارت و آمدنی

جانوروں کے مجسمہ اور تصویر کی تجارت میں دو حیثیتیں ہیں۔

۱۔ جانوروں کی تصویروں کی تجارت میں اگر بائع مشتری کا مقصد ان کی مالیت نہیں ہے بلکہ ان کا مقصد صرف تصویر اور صورت و شکل ہے تو تجارت ناجائز اور حرام ہے، اور ان کی قیمت ادا کرنا لازم نہیں ہے، جیسا کہ مٹی کا مجسمہ یا سادہ کاغذ وغیرہ میں بنی ہوئی تصویر ہوتی ہے کہ ان میں مالیت مقصود نہیں ہوا کرتی ہے بلکہ تصویر ہی مقصود ہوا کرتی ہے اس لئے ان کی قیمت ادا کرنا شرعاً لازم نہیں ہے اور قیمت لینا بھی جائز نہیں ہے۔ [۳]

---

[۱] مستفاد جواہر الفقہ ص ۲۶۲ ج ۳، امداد المفتیین کراچی ص ۹۹۶، مستفاد جواہر الفقہ ص ۲۳۵ ج ۳، فتاویٰ محمودیہ ص ۳۴۸ ج ۱۲

[۲] مستفاد جواہر الفقہ ص ۲۴۴ ج ۳، [۳] مستفاد جواہر الفقہ ص ۲۲۸ ج ۲۔

علّامہ علاء الدین حصکفیؒ نے درمختار میں اس مسئلہ کو ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے۔

اشتریٰ ثورًا او فرسًا من خزف لاجل استئناس الصبیّ لا یصحّ ولا قیمۃ لہٗ۔ الخ لہ

کسی نے مٹی کے بنے ہوئے بیل یا گھوڑے کو خرید لیا تاکہ اس سے بچے کو بہلائے اور خوش کرے تو عقد بیع شرعًا صحیح نہیں ہے اور مشتری پر اس کی قیمت ادا کرنا بھی لازم نہیں ہے۔

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ جانبین میں عقد صحیح نہ ہونے کی وجہ سے قیمت ادا کرنا لازم نہیں ہے۔ لیکن اگر قیمت ادا کر دی ہے تو بائع پر لازم ہے کہ خریدار کو واپس کر دے۔

۲ دوسری حیثیت یہ ہوتی ہے کہ تجارت میں مجسمہ اور تصویر مقصود نہیں ہوتی ہے بلکہ مقصود اصلی وہ دھات یا لکڑی وغیرہ ہوتی ہے جس سے مجسمہ بنایا جاتا ہے۔ جیسے تانبا، پیتل اور لکڑی وغیرہ کا مجسمہ اور تصویر کا حال ہے، اگر ان اشیاء کی مالیت ہی تجارت میں مقصود ہے اور شکل وصورت اصل مالیت کے تابع ہوتی ہے، چنانچہ اس کے لین دین کا سارا معاملہ وزن اور تول سے ہوا کرتا ہے اسلئے تجارت حرام تو نہیں ہوتی ہے لیکن تعاون علی المعصیۃ کی وجہ سے مکروہ تحریمی ضرور ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ مرادآبادی دھات سے بنے ہوئے مجسموں کو جب فروخت کیا جاتا ہے تو مالیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے قیمت وصول کی جاتی ہے۔ تصویر پیش نظر نہیں رکھی جاتی ہے۔ اسی لئے ایسی شکل میں حضرات فقہاء نے مالیت کو پیش نظر رکھتے

لہ درمختار کراچی ص ۲۲۶ ج ۵،

ہوئے تجارت کو مکروہ تحریمی نقل فرمایا ہے اور حرام قرار نہیں دیا ہے، یعنی خریدار پر اس کی مالیت کی قیمت ادا کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ عین دھات کے اندر فطری مالیت ہونے کی وجہ سے شکل ختم ہونے کے بعد بھی اس سے انتفاع ممکن ہے۔ لہٰذا کراہت تحریمی کے ساتھ نفس معاملہ صحیح ہو جائیگا۔ حضرت علامہ شامیؒ نے اس مسئلہ کو ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے۔

لانها لو كانت من خشب او صفر جاز اتفاقاً فيما يظهر لامكان الانتفاع بها[1] الخ	اس لئے کہ اگر (مجسمہ اور تصویر) لکڑی یا پیتل وغیرہ سے بنائی گئی ہے تو بالاتفاق بیع جائز ہے۔

اس کی اصل مالیت سے انتفاع واضح اور ممکن ہونے کی وجہ سے۔

اور ایسی اشیاء کی تجارت کی آمدنی کے حلال ہونے اور نہ ہونے کے بارے میں حضرت امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے درمیان اختلاف ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بلاکراہت حلال ہے، اور حضرت امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک تعاون علی المعصیۃ کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہے۔ اور احتیاطاً حضرت امام ابویوسف اور امام محمد کے مذہب پر جواز مع الکراہت کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔

صاحب درمختار نقل فرماتے ہیں۔

ان قامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريماً والا فتنزيهاً الخ[2]	بیشک جس شئی کی ذات کے ساتھ معصیت کا تعلق ہو اس کی تجارت مکروہ تحریمی ہے ورنہ مکروہ تنزیہی ہے۔

---

[1] شامی کراچی ص ۲۲۶ ج ۵ [2] درمختار کراچی ص ۳۹۱ ج ۶ -

حضرت علامہ شامیؒ اس کی مثال خنزیر چرانے کی اُجرت وآمدنی کے ساتھ ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں۔

وعلیٰ ھذا الخلاف لو اٰجرہٗ دابّۃً لینقل علیہ الخمر اواٰجرہٗ نفسہٗ لیرعیٰ لہ الخنازیر یطیب لہ الاجر عندہٗ وعند ھما ان یکرہ ؎

اور اسی اختلاف پر اگر اس کو اپنا جانور شراب منتقل کرنے کے لئے اُجرت پر دیا ہے یا خود اس کو خنزیر چرانے کے لئے نوکری پر لایا ہے تو اس کے لئے خنزیر چرانے کی اُجرت حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بلاکراہت حلال ہے اور حضرات صاحبین کے نزدیک مکروہ ہے۔

لہٰذا ہم احتیاطاً حضرات صاحبین کے قول کے مطابق کراہت کے ساتھ آمدنی کو جائز قرار دیتے ہیں اور اسی پر فتویٰ دیتے ہیں۔

برتنوں میں قرآن کریم کی آیتیں

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایکسپورٹر نمونہ کے طور پر برتن میں قرآن کریم کی آیتیں چھپوا کر امپورٹر کو دکھاتا ہے اور امپورٹر اس کو پسند کر کے آرڈر دیتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خود امپورٹر آیت قرآنی لکھتے ہوئے برتنوں کا آرڈر دیتا ہے اور ایکسپورٹر اور کاریگر پیسوں کی حرص میں آکر تیار کر کے ارسال کرتا ہے۔ شرعی طور پر اس میں قرآن کریم کی سخت ترین توہین اور اہانت ہے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض برتنوں میں پوری سورۃ مزمل بعض میں پوری سورۃ اخلاص

؎ شامی کراچی ص ۳۹۲ ج ۶

اور بعض میں آیۃ الکرسی اور بعض میں سورۃ یٰسین اور بعض میں ایک دو آیتیں لکھی ہوئی ہوتی ہیں۔ اس میں مختلف وجوہ سے متعدد خرابیاں لازم آجاتی ہیں جن کی وجہ سے قرآن کریم کو ان آلات و اوانی میں چھاپنے کو ہرگز جائز نہیں کہا جا سکتا ہے۔

۱ قرآن کریم کی ایک آیت پکڑنے کے لئے بھی وضو کرنا فرض ہے۔ یہاں مزدوروں میں یہ احتیاط نہیں ہوتی۔

۲ بعض دفعہ پالش اور چھلائی کرتے ہوئے پیر سے دباتے بھی ہیں، یہ قرآن کریم کی سخت اہانت اور حقارت ہے جو سراسر حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔

۳ برتن پیالہ وغیرہ انسان کی استعمالی اشیاء ہیں جن کی حیثیت شئی محترم کی طرح نہیں ہوتی ہے۔ ان کو کہیں بھی رکھ دینا برا نہیں سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا قرآنِ کریم کو ایسی اشیاء میں شامل کرلینا کیسے گوارا کیا جا سکتا ہے۔

۴ جب قرآن کریم کو استعمالی آلات وغیرہ میں استعمال کیا جائے گا تو آہستہ آہستہ قرآن کریم کی بلند حیثیت اور اہم ترین عظمت مسلمانوں کے دِلوں سے نکلنا شروع ہوجائے گی۔ اس لئے قرآن کریم کی کوئی بھی آیت یا کوئی بھی ٹکڑا ان اشیاء میں استعمال جائز نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بھی بندہ کو رزق سے محروم نہیں کرتا ہے۔ اس لئے حرص میں آکر ہمارے تاجر بھائی ایسا آرڈر ہرگز قبول نہ کیا کریں۔

علامہ زین الدین ابن نجیم مصریؒ البحر الرائق میں نقل فرماتے ہیں۔

وکذا یکرہ کتابۃ الرّقاع والصاقہا فی الابواب لما فیہ من الاھانۃ [۱]

اور ایسا ہی کاغذ اور پرزہ کو لکھکر دروازوں پر چسپاں کرنا اہانت کیوجہ سے مکروہ ہے۔

فتاوٰی عالمگیری کی عبارت سے بھی اس مسئلہ کا حکم بخوبی معلوم ہو سکتا ہے۔

لا یجوز ان یتخذ قطعۃ بیاض مکتوب علیہ اسم اللہ علامۃ فیما الاوراق لما فیہ من الابتذال باسم اللہ تعالٰی الخ [۲]

اوراق کے درمیان علامت کے طور پر ایسی تختی بنانا جائز نہیں ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہوا ہو، اسلئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے نام کی بے حرمتی اور حقارت لازم آتی ہے۔

اور اسی طرح کسی شیٔ پر قرآن کریم کا مونوگرام بنانا بھی ممنوع اور مکروہ تحریمی ہے۔ [۳]

---

[۱] البحر الرائق ص ۲۷ ج ۲ ، [۲] فتاوٰی عالمگیری ص ۳۲۳ ج ۵ ،

[۳] مستفاد امداد الفتاوٰی ص ۶۱ ج ۴ ، ایضاح المسائل ص ۴۲ ،

دارالاسلام، دارالحرب، دارالجمہوریہ

حکومت کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ دارالاسلام

اس حکومت کو کہا جاتا ہے جہاں کا اقتدارِ اعلیٰ مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو، اور ایوانِ بالا کے قریب قریب سبھی افراد مسلمان ہوں، اور غیر مسلم کو باقاعدہ الیکشن میں کھڑے ہو کر کلیدی عہدہ حاصل کرنے کا حق نہ ہو۔ اگر کسی غیر مسلم کو کلیدی عہدہ ملتا ہے تو وہ محض مسلمانوں کے احسان پر مبنی ہو، جیسا کہ پاکستان، بنگلہ دیش، سعودی عرب، لیبیا وغیرہ۔ اسی طرح اگر کسی ملک میں سپر طاقت مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہو اور کچھ غلبہ و طاقت غیر مسلموں کو بھی حاصل ہو تو ایسے ملک کو بھی بالاتفاق دارالاسلام کہا جاتا ہے۔ [۱] اس پر اشکال ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثر ملکوں میں اسلامی احکام کلی طور پر نافذ نہیں ہوتے تو پھر دارالاسلام کیسے؟

اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ ممالک دارالاسلام ضرور ہیں، لیکن حکومت چلانے والے قرآنی احکام جاری نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار ہونگے۔ یہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص مسلمان ہوتے ہوئے نماز نہیں پڑھتا ہے مگر نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے گنہگار تو ضرور ہوتا ہے لیکن اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ وہ مسلمان ہی رہتا ہے، تو ایسا ہی قرآنی احکام نافذ نہ ہونے کی وجہ سے دارالاسلا

---

[۱] تالیفات رشیدیہ ص ۶۵۵،

ہونے سے خارج نہ ہوگا، بلکہ دارالاسلام ہی رہتا ہے۔ [1]

۲۔ دار الحرب

ایسی حکومت کو کہا جاتا ہے جہاں کا اقتدار اعلیٰ غیر مسلموں کے ہاتھوں میں ہو، اور ایوان بالا کے قریب قریب تمام ہی افراد غیر مسلم ہوں، اور اُمورِ حکومت میں مسلمانوں کا کوئی دخل نہ ہو۔ اور مسلمانوں کو حق رائے دہی اور الیکشن میں کھڑے ہونے کا حق بھی حاصل نہ ہو۔ اگر اتفاقی طور پر کسی مسلمان کو کلیدی عہدہ دیا جاتا ہے تو وہ مستحق ہونے کی وجہ سے نہ ہو بلکہ صرف ان کے رحم وکرم اور احسان پر مبنی ہو۔ [2] جیسا کہ چین، اسرائیل، امریکہ کی حکومتیں وغیرہ، اور یہ سب دار الحرب ہیں۔

دارُالجمہوریہ یا دارُالامن یا دارُالعہد

دار الجمہوریہ ایسی حکومت کو کہا جاتا ہے جہاں کا اقتدار نہ کلی طور پر مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو اور نہ ہی غیر مسلموں کے ہاتھ میں، اسی طرح ایوانِ بالا کے قریب قریب تمام ہی افراد نہ مسلمان ہوں اور نہ ہی غیر مسلم، بلکہ مسلم وغیر مسلم کے درمیان مشترک طور پر حکومت چلاتے اور وطنی حقوق حاصل ہونے میں قانونی طور پر معاہدہ ہو۔ اور ہر فریق کے افراد کو الیکشن لڑکر کلیدی عہدہ حاصل

---

[1] مستفاد نظام الفتاویٰ ص ۱۹۰ ج ۲ ، مستفاد تالیفات رشیدیہ ص ۶۵۸، ۶۶۵ حاشیہ ملفوظات کشیری ص ۱۶۸ [2] مستفاد ملفوظات کشیریؒ ص ۱۶۸، تالیفات رشیدیہ ص ۶۵۸ ،

کرنے اور نظامِ حکومت میں حصہ لینے کا پوری طرح حق حاصل ہو۔ اگرچہ کسی ایک قوم کی اکثریت کی وجہ سے ایوانِ بالا کے افراد بھی اسی قوم کے زیادہ ہوں، مگر حقِ رائے دہی ہر ایک کو برابری کے ساتھ حاصل ہوتا ہو۔ اور ہر قوم کو اپنے اپنے مذہبی معاملہ میں کلی طور پر آزادی حاصل ہو، تو ایسی حکومت کو نہ دار الاسلام کہا جاسکتا ہے اور نہ ہی دار الحرب بلکہ دار الجمہوریہ کہا جا سکتا ہے۔ نیز دارُ الامن یا دارُ العہد یا سیکولر ملک سے بھی موسوم کیا جا سکتا ہے۔ یہ دارُ الامن کی اصطلاح شاید حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی ایجاد کردہ ہے[1] جو کہ موقع محل کے بالکل موافق معلوم ہوتی ہے۔ نیز علامہ شامیؒ کی ذیل کی عبارت سے یہی بات ثابت ہوتی ہے، وہ لکھتے ہیں

لو اجریت احکام المسلمین و احکام اھل الشرك لاتکون دار حرب[2] الخ	اور اگر کسی حکومت میں مسلمانوں کے درمیان ان کے مذہبی احکام اور کفار کے درمیان ان کے مذہبی احکام دونوں جاری ہوتے ہوں تو ایسی حکومت دار الحرب نہیں ہوتی ہے۔

(بلکہ اس کو دار الجمہوریہ کہا جا سکتا ہے)۔

یہاں یہ واضح ہے کہ مدینہ منورہ میں ہجرت کے پانچ ماہ بعد یہودیوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ شرطوں پر مشتمل جو معاہدہ لکھوایا تھا اس سے

---

[1] ملفوظات محدث کشمیری ص۱۷۳، ہماری اور ہمارے وطن کی حیثیت، از مولانا محمد میاں صاحب ص۲۳، [2] شامی کراچی ص ۱۷۵ ج ۴۔

دارالامن اور دار الجمہوریہ پر استدلال اس لئے درست نہ ہوگا کہ ان شرطوں میں سے ہر ایک میں احکام اسلام کا پہلو غالب تھا[1] اور سیکولر اور جمہوری حکومت کے دستور میں ایسا نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ دستور میں ہر مذہب کے لوگ برابر ہوا کرتے ہیں۔

آزادی کے بعد ہندوستان کی حیثیت

ہندوستان میں جب انگریزوں کا مکمل تسلط ہوچکا تھا اور علماء اور صلحاء کو تلاش تلاش کر سولی پھانسی کی نذر کیا جارہا تھا، اور مسلمانوں کو حکومت میں کوئی اختیار بھی نہیں تھا، اور ہر طرف مسلمان خوف زدہ تھے اسوقت قطبِ عالم حضرت گنگوہی قدس سرہٗ نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا تھا[2] اور انگریزوں کے آخری دور میں جب ظلم نسبتاً کچھ کم ہوگیا تھا تو حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہٗ نے دورِ نبوت سے قبل معاہدۂ حلف الفضول سے استدلال کر کے فرمایا کہ اگرچہ فی الحال ہندوستان میں انگریزوں کا غلبہ ہے مگر موجودہ حالات میں ہندوستان کو نہ دار الاسلام کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی دارالحرب، بلکہ دارالامن ہے[3]۔ اور جب آزادی سے قبل ہندوستان کو دارالامن قرار دیا گیا ہے تو آزادی کے بعد بطریق اولے

---

[1] سیرۃ المصطفٰی ص ۵۲ج ۱، [2] مستفاد تالیفات رشیدیہ ص ۶۶۸،
[3] ملفوظات محدث کشمیریؒ ص ۲۱ ہماری اور ہمارے وطن کی حیثیت۔ از مولانا سید محمد میاںؒ ص ۲۲۔

ہندوستان کو دارُالامن اور دارُ الجمہوریہ کہا جاسکتا ہے، دارالحرب کہنا درست نہ ہوگا۔ کیونکہ آزادی کے بعد پارلیمانی قانون کے دفعات اور قرار دادوں میں سیکولرزم کا پوری طرح لحاظ رکھتے ہوئے مسلم وغیر مسلم سب کو مشترکہ طور پر نظامِ حکومت میں دخل دینے اور الیکشن میں کھڑے ہوکر کلیدی عہدہ حاصل کرنے کا بلاتفریق حق حاصل ہوچکا ہے۔ اور ہر مسلمان کو اپنے شہری حقوق حاصل کرنے اور مسلم پرسنل لاء کے بقاؤ سالمیت کے لئے آواز اٹھانے کا ہر وقت حق حاصل ہے۔ اس میں کسی قسم کی رکاوٹ آزادی کے بعد سے اب تک پیش نہیں آئی ہے۔ البتہ مسلمان اپنا حق وصول کرنے میں اتحاد سے کام نہ لینے کی وجہ سے کبھی ناکام بھی ہوجاتا ہے۔ یہ ہم مسلمانوں کی کمی ہے۔ قانون و قرارداد کی کمی نہیں ہے۔ نیز اگرچہ غیر مسلم کی اکثریت کی وجہ سے ایوانِ بالا کے ممبران ان کے زیادہ ہیں۔ مگر اس کی وجہ سے جمہوریت اور سیکولرزم میں کوئی فرق نہیں آتا ہے۔ جو شامی اور عالمگیری کی عبارتِ ذیل سے اچھی طرح واضح ہوسکتا ہے۔

امّا ان یغلب اھل الحرب علیٰ دار من دورنا وارتدّ اھل مصر وغلبوا واجروا احکام الکفر ونقض اھل الذمّۃ العھد وتغلبوا علیٰ دارھم ففی کلّ من ھٰذہ الصور لا تصیر دار حرب الخ [۱]

یعنی اگر کفار کسی مسلم علاقہ پر اپنا غلبہ حاصل کرلیں یا کسی شہر کے سب لوگ مرتد ہوجائیں اور اپنا غلبہ جمالیں اور کفر کے احکام جاری کردیں یا ذمیوں نے عہد شکنی کرکے اپنے ملک پر غلبہ حاصل کرلیا تو ان میں سے کسی بھی صورت میں وہ ملک دارالحرب نہ ہوگا۔

---

[۱] ہندیہ ص ۲۳۲ ج ۲، شامی کراچی ص ۱۷۴ ج ۴

نیز حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ اگر مسلم وغیر مسلم دونوں اپنے اپنے احکام اور پرسنل لاء کو اپنی اپنی قدرت واختیار سے علی الاعلان جاری کرتے ہوں تو ایسے ملک سے غلبۂ اسلام بالکلیہ زائل نہیں ہوتا۔ اور ایسے ملک کو دارالحرب بھی نہیں کہا جاسکتا حضرت گنگوہیؒ کی فارسی عبارت ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

البتہ اگر ہر دو فریق احکامِ خود را جاری بہ اعلان کردہ باشند غلبۂ اسلام ہم باقیست۔ ؎	البتہ دونوں فریق یعنی اہلِ اسلام وکفار اپنے اپنے احکام کو اپنے اپنے غلبہ وقدرت سے علی الاعلان جاری کرتے ہوں تو ابھی

تک اس سے غلبۂ اسلام بالکلیہ زائل نہیں ہوا، اور اس ملک کو دارالحرب نہیں کہہ سکتے۔

حرفِ آخر

اور جو مسلمان بار بار یہ کہنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اب علماء کو ہندوستان کے بارے میں دارالحرب ہونے کا فتویٰ دینا چاہیے۔ وہ ذرا دوسری طرف بھی غور کرلیا کریں کہ اربابِ وطن کیا چاہتے ہیں؟ وہ تو یہی چاہتے ہیں کہ علماء دارالحرب ہونے کا فتویٰ صادر کردیں، تو باقاعدہ بعد میں دارالحرب ہونے پر قانونی شکل نکل جائے گی۔ اور پھر مسلمانوں کو آزادانہ الیکشن میں کھڑے ہونے اور لوک سبھا اور راجیہ سبھا کے ممبر بننے اور مسلم پرسنل لاء کی حفاظت کے لئے احتجاج کا جو قانونی حق باقی ہے وہ بھی ہاتھ سے نکل جائیگا۔ اس لئے ذرا سوچکر ایسی باتیں کیا کریں۔ لہٰذا جو کچھ حقوق ہم کو حاصل ہیں ہندوستان کو دارالحرب قرار دیکر وہ بھی غیر مسلم کے ہاتھ میں دینے کے لئے ہم ہرگز تیار نہیں ہیں

؎ تالیفاتِ رشیدیہ ص ۶۵۹ ،

نیز اس تفصیل سے ہندوستان کا دار الحرب نہ ہونا واضح ہو چکا ہے، ہاں البتہ اگر کسی وقت خدانخواستہ دستور و آئین میں پاس کردہ قوانین ختم کر کے آزادانہ حقوقِ شہریت اور مسلم پرسنل لا کے سارے حقوق سلب کر دیئے جائیں تو دار الحرب کہا جا سکتا ہے۔ اب تک الحمد للہ وہاں تک معاملہ نہیں پہنچا ہے۔

دار الحرب میں سُودی لین دین

حکومت کی مذکورہ بالا تینوں قسموں میں سے دار الاسلام اور دار الجمہوریہ میں مسلمان کے لئے غیر مسلم سے سُود لینا کسی بھی امام کے نزدیک جائز نہیں ہے اسی طرح کسی مسلمان کا غیر مسلم یا مسلمان کو سُود دینا دار الاسلام، دار الجمہوریہ، دار الحرب میں سے کسی بھی حکومت میں جائز نہیں ہے۔ البتہ دار الحرب میں مسلمان کے لئے کفار سے سُود حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں، اس سلسلہ میں ائمہ مجتہدین کے دو فریق ہیں۔

فریق اوّل

حضرت امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام اوزاعی امام اسحٰق بن ابراہیم، امام ابو یوسف رحمہم اللہ وغیرہ کے نزدیک دار الحرب میں بھی مسلمان کے لئے غیر مسلم حربیوں سے سُود حاصل کرنا اور ان کو سُود دینا دونوں ناجائز اور حرام اور مستحق لعنت ہے۔

ویحرم الربوا فی دار الحرب کتحریمہ فی دار الاسلام وبہ قال مالک و

دار الاسلام کی طرح دار الحرب میں بھی سودی معاملہ حرام ہے اور یہی امام مالک رح،

الاوزاعی وابو یوسف والشافعی و اسحٰق الخ ۔[۱]

اوزاعی، ابو یوسف، شافعی اور اسحٰق بن ابراہیم وغیرہ فرماتے ہیں اور مسلمان

ولا ربوا بَیْنَ المسلم والحربی فی دار الحرب خلافاً لابی یوسف و الائمۃ الثلٰثۃ۔[۲]

اور حربی کے درمیان سُود کی حرمت نہیں ہے مگر امام ابو یوسف اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سُود کی حرمت ثابت ہے۔

فریق ثانی

حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام محمد بن حسن شیبانیؒ کے نزدیک مُسلمان کے لئے دار الحرب میں کفار سے سُود لینا جائز ہے مگر دینا ہرگز جائز نہیں ہے۔ لیکن ان لوگوں کے نزدیک کس قسم کے مسلمان کے لئے دار الحرب میں غیر مسلم سے سُود حاصل کرنا جائز ہوتا ہے؟

اس سلسلہ میں کتبِ فقہ کی دو قسم کی عبارتیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔

۱۔ البحر الرائق وغیرہ کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ دوسرے ممالک سے پاسپورٹ لیکر آنے والے اور خود دار الحرب کے رہنے والے دونوں قسم کے مسلمانوں کیلئے دار الحرب میں کفار سے سُود حاصل کرنا جائز ہے، بس صرف اتنی بات شرط کے درجہ میں ہے کہ غیر مسلم کی رضامندی سے سُود حاصل کیا جائے، اور کسی قسم کی غداری اور بدعہدی نہ ہو۔ نیز امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جو مسلمان دار الحرب میں اسلام لاکر وہیں پر رہائش اختیار کر چکا ہے اور وہاں سے ہجرت نہیں کی ہے تو اس

---

[۱] مغنی ابن قدامہ ص۴۷ ج۴ [۲] مجمع الانہر ص۹۰ ج۲، فتاوٰی محمودیہ ص۲۵۲ ج۴ ۔

مسلمان سے بھی سُود لینا جائز ہے۔ علامہ ابن نجیم مصریؒ نے البحر الرائق میں اس مسئلہ کو ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے۔

لا ربوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب ولان مالهم مباح وبعقد الامان منهم لم یصر معصوما الا انه التزم ان لا یتعرض لهم بغدر ولا لما فی ایدیهم بدون رضاهم فاذا اخذ برضاهم اخذ مالا مباحا بلا غدر فیملکه بحکم الاباحة السابقة۔[1]

دار الحرب میں مسلمان اور حربی کے درمیان سُود کی حرمت نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان کا مال مُباح ہے، اور اُن کے ساتھ جو امان اور ویزا کا معاملہ ہوا ہے اس کی وجہ سے ان کا مال معصوم نہ ہوگا البتہ یہ لازم ہے کہ بد عہدی کے ساتھ ان کا مال حاصل نہ کیا جائے اور نہ ہی ان کے قبضہ کی چیزوں کو اُن کی رضامندی کے بغیر حاصل کیا جائے لہٰذا جب ان کی رضامندی سے حاصل کیا جائے تو بغیر غدّاری کے مال مباح کا حاصل کرنا ثابت ہوگا۔ لہٰذا اباحتِ سابقہ کی وجہ سے مُسلمان اس کا مالک ہوجائیگا۔

اور الدر المنتقی اور المغنی لابن قدامہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اس قول کو بھی واضح کردیا ہے کہ دار الحرب میں دو مسلمان بھی آپس میں ایک دوسرے سے سودی لین دین کرسکتے ہیں جو حسب ذیل عبارت سے واضح ہوتا ہے،

وحکم من اسلم فی دار الحرب ولم یهاجر کحربی عنده الخ[2]

اور اس مسلمان کا حکم سُودی لین دین میں حربی کافر کی طرح ہے جس نے مُسلمان ہوکر دار الحرب سے ہجرت نہیں کی ہے۔

---

[1] البحر الرائق ج۶ ص۱۳۵ و ص۱۳۶ هکذا فی البنایه ج۳ ص۱۶۵ [2] مجمع الانهر ج۲ ص۹۰

وقال ابو حنیفۃ لایجری الربوا بین مُسلمٍ وحربیٍ فی دار الحرب وعنہ فی مُسلمَینِ اسلما فی دار الحرب لا ربوا بینہما الخ ؎

اور حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ سُود کی حرمت مسلمان اور حربی کے درمیان دار الحرب میں جاری نہیں ہوتی ہے اور اُن سے یہ بھی مروی ہے کہ دار الحرب میں آپس میں ایسے دو مسلمانوں میں بھی سُود کی حرمت جاری نہیں ہوتی ہے جو وہاں پر اسلام لائے ہوں۔

اب مذکورہ عبارت پر غور فرمائیں کہ کیا ہندوستان جیسے ممالک میں ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے سُود لینا جائز ہوسکتا ہے؟ میرے خیال میں کوئی بھی اس کے جواز پر اتفاق نہیں کرے گا۔

۲ درمختار وغیرہ کتبِ فقہ کی عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ وامام محمدؒ کے نزدیک بھی دار الحرب میں ہر قسم کے مسلمان کے لئے کفّار سے سُود حاصل کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ صرف ایسے مسلمان کے لئے جائز ہے جو دوسرے ممالک سے پاسپورٹ لیکر دار الحرب میں داخل ہوا ہو۔ اور خود دار الحرب کے رہنے والے مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے۔ لہٰذا پاکستان اور ہندوستان وغیرہ کا مسلمان اگر امریکہ، چین، برطانیہ وغیرہ جیسے دار الحرب میں عارضی طور پر جاکر وہاں کے غیر مسلم عوام یا حکومت کے بینک سے سُود حاصل کرتا ہے تو حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز اور حلال ہوگا، لیکن خود وہاں کے رہنے والے مسلمان کے لئے وہاں کی غیر مسلم عوام یا سرکاری بینک سے سود حاصل

؎ مغنی ابن قدامہ ص ۴۷، ج ۴،

کرنا جائز نہ ہوگا۔ البتہ اگر کوئی ہندوستانی مسلمان چین، امریکہ، جرمنی، جاپان وغیرہ میں پاسپورٹ لیکر عارضی طور پر مستامن ہوکر رہتا ہے تو اس کے لئے وہاں کی غیر مسلم عوام یا سرکاری بینک سے سود حاصل کرنا جائز ہوگا۔

علامہ علاء الدین حصکفیؒ نے الدر المختار میں اس مسئلہ کو ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے

ولا بین حربی ومسلم مستامن ولو بعقد فاسد او قمار ثمہ الخ[۱]

دار الحرب میں حربی اور اس مسلمان کے درمیان سود کی حرمت نہیں ہے جو امن اور ویزا لیکر آیا ہو، اگرچہ عقد فاسد یا جوا و قمار سے ان کا مال حاصل کرتا ہو (تب بھی حلال ہے)۔

ہندوستان میں سود

اب مذکورہ بحث کو دوبارہ پڑھکر دیکھئے تو البحر الرائق اور مغنی وغیرہ کی عبارات سے ہر مسلمان کے لئے دار الحرب میں سود کا جواز معلوم ہوگا۔ نیز وہاں کے مسلمانوں کا آپس میں سودی لین دین کا جواز بھی معلوم ہوگا۔ اور درمختار وغیرہ کی عبارت سے صرف باہر سے پاسپورٹ لیکر آنے والے مسلمان کے لئے جائز معلوم ہوگا اور خود دار الحرب کے رہنے والے کے لئے جائز نہ ہوگا۔ تو کیا ہندوستان میں خود یہاں کے رہنے والے مسلمان کے لئے غیر مسلم سے یا سرکاری بینک سے سود حاصل کرنا جائز ہوسکتا ہے۔ حالانکہ خود علماء ہند بھی آپس میں ہندوستان کے دار الحرب ہونے میں متفق نہیں، نیز دار الحرب کی جو حقیقت بیان کی جاتی ہے اس کے

---

[۱] درمختار کراچی ص ۱۸۶ ج ۵،

تحت ہندوستان داخل نہیں ہوتا، اور ادھر درمختار کی عبارت سے بھی دارالحرب تسلیم کرنے کے باوجود ہندوستانی مسلمان کے لیے جواز ثابت نہیں ہوتا ہے۔ تو پھر ہندوستان جیسے ممالک میں خود وہاں کے باشندے کے لیے غیر مسلم سے سود حاصل کرنا کس طرح جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت تھانویؒ حضرت گنگوہیؒ، حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی وغیرہم نے دارالحرب تسلیم کرنے کے بعد بھی ہندوستان میں مسلم یا غیر مسلم سے سود حاصل کرنے کو ہندوستانی مسلمانوں کے لئے ناجائز اور حرام ہونے کا فتویٰ صادر فرمایا ہے۔ [1]

اور ان وجوہات کی بنا پر ہم بھی عدم جواز ہی کا فتویٰ دیا کرتے ہیں۔

انڈین مسلمان کیلئے چین وامریکہ کے سود کا جواز

اگر کوئی ہندوستانی یا پاکستانی مسلمان چین، امریکہ، جرمنی، اٹلی وغیرہ ممالک میں عارضی طور پر جاکر رہتا ہے تو اس کے لئے وہاں کے غیر مسلم عوام اور سرکاری بینک سے سود حاصل کرنا بلا شبہ جائز ہوگا، جیساکہ درمختار کی عبارت سے واضح ہوتا ہے۔ اور تمام اکابر کا فتویٰ بھی اسی پر ہے۔ [2]

---

[1] امداد الفتاوی ص ۱۵۷ ج ۳، فتاوی رشیدیہ ص ۵۰۲، فتاوی محمودیہ ص ۲۵۲، ۳۴۳، ۳۴۴ ج ۲، ج ۳، ج ۱۲

[2] مستفاد امداد الفتاوی ص ۱۵۷ ج ۳،

شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۸ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ

انکم ٹیکس کی بچت کیلئے فکسڈ ڈپازٹ کا جواز

بعض تجار اور ایکسپورٹروں نے یہ بتایا ہے کہ فکسڈ ڈپازٹ کرانے سے انکم ٹیکس کی بچت ہوتی ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو انکم ٹیکس کی بچت کی نیت سے فکسڈ ڈپازٹ کرالینا اس شرط کے ساتھ جائز ہو سکتا ہے کہ انہیں جمع کرنے کا مقصد صرف رقم کی حفاظت ہو جیسا کہ سیونگ بنیک میں جمع کرنے کا یہی مقصد ہوتا ہے لیکن جمع شدہ رقم پر جو زائد رقم حاصل ہوتی ہے اس کو بینک سے حاصل شدہ سود کی طرح بلا نیت ثواب فقراء پر تقسیم کر دینا واجب ہے۔ اس لئے کہ جو رقم زائد ملتی ہے وہ مال حرام ہے اور مال حرام اگر مالک تک نہ پہونچ سکے تو فقراء ہی اس کے مستحق ہوا کرتے ہیں

واما اذا کان عند رجل مال خبیث	اور جب کسی کے پاس حرام مال ہو جو اس کو
فاما ان ملکہ بعقد فاسد او حصل	عقد فاسد کے ذریعہ یا بغیر عقد کے حاصل ہوا
لہ بغیر عقد ولا یمکنہ ان یردہ	ہے اور مالک تک رسائی بھی ممکن نہیں ہے
الی مالکہ ویرید ان یدفع مظلمتہ	اور وہ اپنے اوپر سے اس کی ظلمت کا وبال
عن نفسہ فلیس لہ حیلۃ الا ان	دور کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے فقراء کو
یدفعہ الی الفقراء الخ[1]	دینے کے علاوہ کوئی حیلہ اور جواز کا راستہ نہیں ہے

نیز حاصل شدہ سود انکم ٹیکس، سیل ٹیکس، کسٹم ٹیکس وغیرہ میں دیدینا بھی جائز ہے۔ اس لئے کہ جو رقم زائد ملتی ہے وہ شرعاً سود اور حرام مال ہے، اور مال حرام

---

[1] بذل المجہود ص ۳۷ ج ۱

میں اصل حکم یہی ہے کہ کسی بھی عنوان سے اصل مالک کو واپس کر دیا جائے۔ اور مذکورہ ٹیکسوں میں دینے سے حکومت کے خزانہ سے لیا ہوا حرام مال اپنی جگہ واپس پہونچ جاتا ہے۔

ان اخذہٗ من غیر عقد لم یملکہٗ ویجب علیہ ان یّردہٗ علیٰ مالکہٖ ان وجد المالک الخ[1]

اگر بغیر عقد کے مال حاصل کیا ہے تو اس کا مالک نہیں ہوتا ہے اور اس پر واجب ہے کہ اصل مالک کو واپس کر دے اگر مالک مل جائے۔

انکم ٹیکس سیل ٹیکس میں بینک کی سودی رقم دینا :-

جب امپورٹر بیرونِ ملک سے خام مال درآمد کرتا ہے تو حکومت کسٹم ٹیکس کے نام سے امپورٹر سے ایک بھاری رقم وصول کر لیتی ہے۔ تو کیا اس میں بینک سے حاصل شدہ سودی رقم دی جا سکتی ہے یا نہیں ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سود اور حرام مال میں اصل حکم یہ ہے کہ کسی بھی عنوان سے مالک کو پہنچا دیا جائے کسٹم ٹیکس کے نام سے حکومت جو بھاری رقم لیتی ہے یہ ایک قسم کا ظلم جبر ہے۔ اس لئے کسٹم ٹیکس کے نام سے حکومت کے بینک سے حاصل شدہ سودی

---

[1] بذل المجہود ص ۳۷ ج ۱ ،

رقم کسٹم ٹیکس کے عنوان سے دیدینا جائز اور درست ہوگا، اسی طرح انکم ٹیکس اور سیل ٹیکس بھی غیر شرعی ٹیکس ہیں۔ اس لئے ان ٹیکسوں کے عنوان سے بھی بینک سے حاصل شدہ سُودی رقم حکومت کے خزانہ میں واپس کردینا جائز اور درست ہوگا۔ [1]

صاحب بذل المجہود تحریر فرماتے ہیں۔

صرح الفقهاء بان من اكتسب	فقہاء نے اس بات کی صراحت کردی ہے
مَالًا بغير حقٍ فاما ان يكون	کہ جو شخص بغیر حق کے مال حاصل کرتا ہے
كسبهٗ بعقدٍ فاسدٍ كالبيوع	تو وہ یا عقد فاسد سے حاصل ہو جائے۔
الفاسدة والاستيجار على المعاصى	جیسے بیوع فاسدہ اور معصیت کی نوکری
(الى قوله) ففى جميع الاحوال المال	اور اجارہ اور ان جیسے تمام احوال میں جو
الحاصل لهٗ حرامٌ عليه ولكن	مال حاصل ہوتا ہے وہ اس پر حرام ہے لیکن
ان اخذهٗ من غير عقد لم يملكه	اگر بغیر عقد کے حاصل ہوا ہے تو اس کا مالک
ويجب عليه ان يردهٗ على مالكه	نہیں ہوتا ہے اور اس پر واجب ہے
ان وجد المالك۔ الخ [2]	کہ اگر مالک مل جائے تو اس کو واپس کردے۔

---

[1] مستفاد فتاویٰ محمودیہ ص ۲۰۳ ج ۴ [2] بذل المجہود ص ۳۷ ج ۱،

کمپنی کے حصص اور شیئرز خریدنا

کمپنی کے حصص اور شیئرز کے متعلق اکابر علماء اور ارباب افتاء میں سے حضرت تھانوی قدس سرہٗ سے زیادہ تحقیقی قلم شائد کسی نے نہیں اٹھایا۔ چنانچہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے مسائل شیئرز پر باقاعدہ ایک رسالہ لکھا ہے جو " القصص السنیۃ فی حکم حصص کمپنی " کے نام سے تقریباً ۲۶ صفحات پر مشتمل امداد الفتاوی کا ایک جزء کی حیثیت سے شائع ہو چکا ہے۔

خاکسار نے مسئلہ شیئرز سے متعلق حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے مذکورہ رسالہ سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ اگر کوئی براہ راست کمپنی سے شیئرز کا فارم خرید کر شرکت کر لیتا ہے اور حصص کے تناسب سے نفع ونقصان اور راس المال سب میں شریک ہو جاتا ہے تو شرعاً یہ معاملہ شرکت عنان کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز اور درست ہو جائے گا۔[1] اس لئے کہ شرکت عنان میں ہر فریق کا عمل میں شریک ہونا لازم نہیں ہے۔ بلکہ اس میں وکالت کا مفہوم موجود ہونے کی وجہ سے عمل میں شرکت کے بغیر بھی درست ہو جاتی ہے[2] کہ روپئے دینے والے اس کمپنی کے شرکاء ہیں اور کارکنان کمپنی ان

---

[1] مستفاد امداد الفتاوی ص ۴۹۲/۳، ص ۴۹۴/۳ - [2] مستفاد فتاوی عالمگیری ص ۳۱۹/۲

کے وکیل ہوتے ہیں[۱] لہٰذا کمپنی کے حصص اور شیئرز کا خریدنا اور ان سے نفع حاصل کرنا جائز اور حلال ہوگا۔

مارکیٹ سے شیئرز خریدنا

ہمارے ہندوستان میں یہ طریقہ رائج ہے کہ بعض لوگ کمپنی کے ایجنٹ بن کر ایجنسی کھول کر کمپنی سے کافی مقدار میں شیئرز لے کر بازار میں شیئرز فارم فروخت کرتے ہیں تو کیا اس طرح ایجنسی سے کمپنی کے شیئرز خریدنا جائز ہوسکتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کی تین شکلیں زیادہ واضح نظر آتی ہیں۔

شکل ۱ خریدار کی نگاہ میں یہی بات پیش نظر ہوتی ہے کہ شیئرز کا فارم خرید کر متعلقہ کمپنی میں شرکت حاصل کرتا ہے۔ اور تناسب کے حساب سے نفع و نقصان میں شریک ہوتا ہے۔ تو ایسی صورت میں اگر ایجنسی نے کمپنی کو ان حصوں کے عوض ادا نہیں کیا ہے تو ایجنسی منجانب کمپنی وکیل ہے۔ اور شیئرز کے خریدار کمپنی کے شریک ہوں گے اور اگر ایجنسی نے ان حصوں کے عوض ادا کر دیا ہے تو ایجنسی کمپنی کے شریک ہوگی اور جب ایجنسی اپنے حصص بازار میں جاکر دوسروں کے ہاتھ عوض لے کر منتقل کر دے گی

---

[۱] امداد الفتاوی ص ۴۹۰ ج ۳۔

تو ایجنسی درمیان سے نکل جائے گی۔ اور خریدار کمپنی کی شرکت میں حصہ دار بن جائیں گے۔ [1]

شکل نمبر ۲ خریدار کے ذہن میں یہ بات نہیں ہوتی ہے کہ کمپنی میں شرکت کرنا ہے۔ بلکہ اس کے ذہن میں صرف یہ بات ہوتی ہے کہ آئندہ چندروز کے بعد ان حصص کا بھاؤ بڑھ جائے گا۔ اور اس سے زیادہ قیمت میں فروخت ہوسکتے ہیں لہذا اب خرید لئے جائیں تو اس طرح شیئرز کی خرید و فروخت بھی شرعًا بقول امام ابویوسفؒ جواز کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز اور حلال ہو جائے گی۔

وقال ابویوسف لایکره	اور حضرت امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ
هذا البیع (الی قوله) حتی لو	یہ بیع مکروہ نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی کاغذ
باع کاغذة بالف یجوز الخ [2]	ایک ہزار میں فروخت کیا جائے تو بھی جائز ہے

شکل نمبر ۳ کمپنی کے ایجنٹ تو نہیں بلکہ کوئی شخص براہ راست شخصی طور پر شیئرز خرید لیتا ہے اور پھر اپنے شیئرز کو کسی وجہ سے فروخت کر دیتا ہے اور خریدار اس سے کمپنی میں شرکت کی غرض سے یا آئندہ شیئرز کے بھاؤ بڑھنے پہ اچھی شرح پر فروخت کرنے کی غرض سے خریدتا ہے۔ یہ بھی شرعًا جواز کے دائرے میں داخل

---

[1] مستفاد امداد الفتاوی ص۹۲ ج۴۔ [2] شامی کراچی ص۲۲۶ ج۵۔ فتح القدیر ص۲۱۲ ج۶۔

ہوکر درست ہوجائے گا۔ [1]

مسلم کمپنی کے شیئرز خریدنا

اگر مسلمان کی کمپنی ہے اور کمپنی میں جائز کاروبار ہے اور سودی کاروبار کرنا شیئرز کے خریدار کو یقین سے معلوم نہیں ہوسکا ہے تو ایسی کمپنی سے شیئرز کا خریدنا بلاشبہ جائز اور حاصل ہونے والا نفع حلال ہوگا۔ لہذا اگر کمپنی فی الواقع سودی لین دین کرتی ہے تو اس کا وبال کمپنی کے ذمہ داروں پر ہوگا شیئرز کے خریدار پر نہ ہوگا۔ ہاں البتہ اگر مسلم کمپنی کا سودی کاروبار یقین سے معلوم ہوجائے تو اس کے شیئرز کا خریدنا ناجائز اور ممنوع ہوگا۔ [2]

اور امداد الفتاویٰ میں یہ بات صراحت سے بیان کی گئی ہے کہ اگر کمپنی کے سودی کاروبار سے خریدار مطلع ہوجائے اور خریدار کمپنی کو سودی لین دین سے صراحت سے منع کردے تو ایسی صورت میں لین دین کا ذمہ دار خریدار نہ ہوگا اور اس کے لئے نفع حلال ہوجائے گا اور ذمہ دار کمپنی کے عملہ ہوں گے۔ [3]

---

[1] مستفاد امداد الفتاویٰ ص ۴۹۲ ج ۳، ص ۴۹۵ ج ۳۔ [2] مستفاد امداد الفتاویٰ ص ۴۹۱ ج ۳

[3] مستفاد امداد الفتاویٰ ص ۴۹۷ ج ۳۔

غیر مسلم کمپنی کے شیئرز خریدنا

اگر کمپنی غیر مسلم کی ہے اور اس میں سودی کاروبار نہیں ہے تو بلا شبہ غیر مسلم کی ایسی کمپنی کے شیئرز کا خریدنا اور اس کے منافع حاصل کرنا جائز اور حلال ہوگا اور اگر غیر مسلم اپنی کمپنی میں سودی کاروبار بھی کرتا ہے یا حالات معلوم نہیں ہیں اور ظاہر ہے کہ ان کے یہاں سودی لین دین مذموم نہیں ہے تو ایسی صورت میں غیر مسلم کی کمپنی کے شیئرز خریدنا شرعاً مکروہ تحریمی ہوگا[1]۔ ان کے علاوہ شیئرز کی اور بھی بہت سی شکلیں ہوسکتی ہیں جن کے جواز و عدم جواز سے متعلق ہم نے کوئی تعرض نہیں کیا ہے۔

یونٹ ٹرسٹ کا حکم

یونٹ ٹرسٹ کے بارے میں معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ اس میں رقم جمع کرنے والے کا کوئی نقصان نہیں ہوتا بلکہ اس کا نفع متعین ہوتا ہے کمپنی کو نقصان ہو یا نفع، رقم جمع کرنے والے کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر واقعہ ایسا ہے تو یہ بینک کے سود کے مشابہ ہوکر ناجائز اور حرام ہوگا اور جو دلائل بینک

---

[1] مستفاد امداد الفتاویٰ ص ۴۹۷ ج ۳۔

کے سود کی حرمت پر مرتب ہوتے ہیں وہی دلائل اس پر بھی مرتب ہوں گے۔

بینک کے قرض سے گاڑی خریدنا

موجودہ دور میں ٹرک ٹریکٹر، بس، کار وغیرہ کی خریداری کا یہ طریقہ عام طور سے رائج ہے کہ اگر کسی کو گاڑی وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو از خود کمپنی سے خرید نہیں سکتا۔ کہ یا تو اس کے اندر ایک مشت اتنی رقم ادا کرنے کی سکت اور گنجائش نہیں ہوتی ہے۔ یا اگر ہوتی ہے تو اس سے سوال ہوتا ہے کہ اتنا پیسہ کہاں سے آیا۔ اس کا انکم ٹیکس کہاں ادا کیا ہے وغیرہ وغیرہ رکاوٹیں پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے بینک کے قرض کا سہارا لینا پڑتا ہے اور بینک اس کو حکم دیتا ہے کہ تم از خود کمپنی سے بات چیت کرکے اپنی پسند کی گاڑی لے لو اور یہ شخص بینک کی ہدایت کے مطابق اپنی پسند کی گاڑی کی قیمت طے کرتا ہے اور قیمت بینک خود ادا کرے گا تو اس میں تین شکلیں سامنے آتی ہیں۔ ایک شکل ناجائز اور دو شکلیں جائز۔ جو ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ ناجائز شکل مثلاً پچاس ہزار روپیہ میں کمپنی سے گاڑی خریدتا ہے اور وہ رقم بینک از خود کمپنی

کو ادا کر دیتا ہے اور یہ شخص گاڑی کا مالک ہو جاتا ہے مگر بنیک جب خریدار سے اپنا قرض وصول کرے گا تو اپنے ضابطے کے مطابق قسط وار ۵۵ ہزار روپے خاص مدت کے اندر اندر وصول کرے گا تو کل قرض جر نفعًا حرام[1] کے تحت داخل ہو کر پانچ ہزار روپیہ سود دینا لازم ہونے کی وجہ سے یہ معاملہ ناجائز و حرام ہو جائے گا۔[2]

۲۔ جائز شکل مرابحہ

جواز کے لئے بہتر اور آسان شکل یہ ہے کہ خریدار کے ساتھ بنیک اپنے کسی آدمی کو بھی بھیجدے اور وہی کمپنی سے پچاس ہزار میں سودا طے کرلے تو پچاس ہزار کی گاڑی بنیک کی ہو جائے گی پھر بنیک کا فرستادہ بنیک کے ضابطے کے مطابق پچپن ہزار میں خریدار کے حوالہ کر دے اور بعد میں بنیک قسط وار خریدار سے پچپن ہزار روپیہ وصول کرتا رہے گا۔ تو شرعًا یہ شکل بیع مرابحہ کے دائرہ میں داخل ہو جائے گی۔

المرابحة بمثل الثمن الاول وزیادة ربح (الی قولہ) جائز الخ[3] بیع مرابحہ پہلے ثمن کے مثل اور نفع کی زیادتی کے ساتھ جائز ہوتا ہے۔

---

[1] شامی کراچی صفحہ ۱۶۲/۵ ۔ [2] مستفاد امداد الفتاوی صفحہ ۱۳۳/۳ ۔ [3] فتاوی عالمگیری صفحہ ۱۶۰/۳

۲۔ جائز شکل وکالت جواز کی ایک شکل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بینک اس شخص کو خریدنے کے لئے اپنا وکیل بنا دے اور پھر وہ شخص مثلاً پچاس ہزار روپیہ میں گاڑی خرید کر بینک کے حوالہ کر دے اس کے بعد پھر بینک اس شخص کو ۵۵ ہزار روپیہ میں فروخت کر دے اور یہ شخص بینک کے طے شدہ معاملہ کے مطابق قسط وار پچپن ہزار روپیہ ادا کرتا رہے تو اس طرح کا معاملہ جائز اور درست ہے۔[ل]

موجودہ زمانہ کی مروّجہ پگڑی کا حکم

موجودہ زمانہ کی پگڑی کے بارے میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی نے ایک بہترین مقالہ لکھا ہے۔ اس کا ایک ٹکڑا کچھ اضافہ کے ساتھ درج کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے[۲] اور موصوف کا اصل مقالہ عربی میں ہے۔ اور یہاں اُردو میں اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے جو حسب ذیل ہے۔

ہمارے زمانے کی موجودہ پگڑی جو مالک مکان کرایہ دار سے لیتا ہے جائز نہیں ہے۔ اور پگڑی کے نام پر لی جانے والی یہ رقم شریعت کے کسی قاعدہ پر منطبق نہیں ہوتی، لہٰذا یہ رقم رشوت وحرام ہے۔ ہاں پگڑی کے مروجہ نظام میں درج ذیل تبدیلیاں کرنے سے جواز پیدا ہو جائے گا۔

ل۔ مستفاد امداد الفتاویٰ ص ۱۳۵/۳ ج ۔ ۲۔ مستفاد مقالہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی ص ۲۷

(۱) مالکِ مکان و دکان کے لئے جائز ہے کہ وہ کرایہ دار سے خاص مقدار میں ایک مشت رقم لے لیں جسے متعینہ مدّت کا پیشگی کرایہ قرار دیا جائے۔ یہ ایک مشت رقم سالانہ یا ماہانہ کرایہ کے علاوہ ہوگی۔ اس ایک مشت لی ہوئی رقم پر اجارہ کے سارے احکام جاری ہوں گے۔ اگر اجارہ کسی وجہ سے طے شدہ مدّت سے پہلے فسخ ہو جائے تو مالک کے ذمّہ واجب ہوگا کہ اجارہ کی باقی ماندہ مدّت کے مقابل میں ایک مشت رقم کا جتنا حصّہ آرہا ہے اُسے واپس کر دے۔

(۲) اگر اجارہ متعینہ مدّت کے لئے ہوا ہے تو کرایہ دار کو اس مدّت تک کرایہ داری باقی رکھنے کا حق ہے۔ لہٰذا اگر کوئی دوسرا شخص یہ چاہے کہ کرایہ دار اپنے حق سے دست بردار ہو جائے اور یہ دوسرا شخص اس کی جگہ کرایہ دار ہو جائے تو پہلے کرایہ دار کے لئے یہ جائز ہے کہ اس شخص سے عوض کا مطالبہ کرے، پہلے کرایہ دار کا یہ عمل بالعوض حق کرایہ داری سے دست بردار ہوگا۔ اور مال کے بدلہ میں وظائف سے دست برداری پر قیاس کرتے ہوئے جائز ہوگا۔ اور وظائف اور حق سے دست برداری کے مالی عوض لینے پر علماء نے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

فیفتی بجواز النزول عن الوظائف بمال الخ[1]	پس وظائف سے دست برداری کے مالی عوض لینے کے جواز پر فتویٰ دیا گیا ہے۔

[1] درمختار کراچی ص ۵۱۹ ج ۴ وبمعناہ فی الحموی ص ۱۶۳

لیکن اس کے جواز کی شرط یہ ہے کہ اصل کرایہ داری کا معاملہ معینہ مدّت کیلئے کیا گیا ہو۔ مثلاً دس سال کے لئے، اور دس سال پورا ہونے سے پہلے پہلا کرایہ دار دست بردار ہو رہا ہو۔

(۳) اگر اجارہ معین مدّت کے لئے ہو تو مالک مکان و دوکان کے لئے جائز نہیں ہے کہ شرعی عذر کے بغیر اجارہ کو فسخ کر دے۔

ویصیر الخلو فی الحانوت حقاً له، فلا یملك صاحب الحانوت اخراجه منها الخ [۱]

اور دوکان کی پگڑی مالک کا حق ہو جاتا ہے لہٰذا مالک کے لئے کرایہ دار کو نکالنے کا حق نہ ہو گا۔

اور اگر مالک نے عذر شرعی کے بغیر دورانِ مدّت اجارہ کو فسخ کرنا چاہا تو کرایہ دار کے لئے جائز ہے کہ اس سے عوض کا مطالبہ کرے، اور اس کا یہ اقدام مالی عوض لیکر اپنے حق سے دستبرداری کے دائرہ میں داخل ہو گا۔ اور یہ عوض مدّت معینہ کے بدلہ میں اپنی یکمشت دی ہوئی رقم کا وہ جزء ہے جو استحقاقی مدّت میں سے واپسی کے وقت باقی ماندہ مدّت کی وجہ سے رہگیا تھا۔ مجمع الفقہ الاسلامی جدہ نے اپنے چوتھے اجلاس منعقدہ ۱۴۰۸ھ میں یہی فیصلہ کیا ہے۔ [۲]

---

[۱] الاشباہ والنظائر ص ۱۶۲ [۲] مستفاد مقالہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی ص ۳۷۔

انسانی اعضاء کی تجارت اور اس سے انتفاع

انسان کے کسی بھی عضو اور حصہ کو خریدنا اور فروخت کرنا اور دوسروں کا استعمال کرنا سب حرام اور ناجائز ہے۔ نیز جس طرح زندہ انسان کے اعضاء کا استعمال اور خرید و فروخت ناجائز اور حرام ہے اسی طرح مردہ انسان کے اعضاء کا استعمال اور خرید و فروخت سب حرام ہے۔ نیز اسی طرح کافر کے اعضاء سے بھی انتفاع جائز نہیں ہے لہذا کسی بھی انسان کے اعضاء سے دوسرے انسان کا انتفاع حاصل کرنا کسی بھی طرح سے جائز نہیں ہوگا۔[1]

اور حضرات فقہاء نے اس مسئلہ کو ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے

والآدمی محترم بعد موته علی ما کان علیه فی حیاته فکما لا یجوز التداوی بشئ من الآدمی الحی اکراماً له فکذلک لا یجوز التداوی بعظم المیت قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم

اور انسان مرنے کے بعد بھی اسی طرح محترم ہوتا ہے جس طرح زندگی میں ہوتا ہے لہذا جس طرح زندہ انسان کے کسی عضو کو اس کے احترام کی وجہ سے علاج و معالجہ کے کام میں لانا جائز نہیں ہے اسی طرح مردہ انسان کے اعضاء اور ہڈی وغیرہ کو بھی دوا کے کام میں لانا جائز نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] مستفاد جواہر الفقہ ص ۵ ج ۲۔

کسر عظم المیت ککسر عظم الحی [1] نے ارشاد فرمایا ہے مردہ انسان کی ہڈی کو توڑنا زندہ انسان کی ہڈی توڑنے کی طرح ہے۔

اور شامی میں نقل فرماتے ہیں۔

والآدمی مکرم شرعاً وان کان کافراً۔ [2] اور نفس انسان شریعت کے نزدیک محترم و مکرم ہے اگرچہ کافر کیوں نہ ہو۔

اور جہاں حالتِ اضطرار میں مردار کھاکر جان بچانے کی اجازت دی گئی ہے وہاں مردہ انسان نہیں ہے بلکہ غیر انسان مراد ہے۔ لہٰذا اس سے استدلال کر کے مردہ انسان کے اعضاء سے علاج کی ہرگز گنجائش نہیں نکل سکتی۔

انسانی خون کی خرید و فروخت

ہر جاندار اور انسان کے اندر دو قسم کے اجزاء ہوتے ہیں جن پر زندگی کا مدار ہوتا ہے۔

۱ انسان کے وہ اجزاء جو اصلی اور مستقل ہوتے ہیں، جیسے ہاتھ، پیر، ناک، کان، کلیجی، گردہ وغیرہ جن کو الگ کرنے سے ساخت میں بھی نقص آسکتا ہے تو ایسے اجزاء کا استعمال اور خرید و فروخت کچھ

[1] شرح سیر الکبیر ص۸۹ ج۱، ومفہومہ فی الہندیہ ص۳۹ ج۴۔ فتح القدیر ص۲۶ ج۱۔
[2] شامی کراچی ص۵۸ ج۵،

بھی جائز نہیں ہے ۔ جیساکہ ما قبل میں ذکر کیا جا چکا ہے ۔
۲ : انسان کے وہ اجزار جو اصلی نہیں ہوتے بلکہ عارضی ہوتے ہیں جیسے خون پانی وغیرہ جو کبھی کم اور کبھی زیادہ ہوتے رہتے ہیں اگر ان میں سے کچھ نکال لیا جائے تو ساخت میں کوئی فرق نہیں آتا ہے اور ان کی بھی خرید و فروخت استعمال سب ناجائز اور حرام ہے اس لئے کہ انسان کا کوئی بھی جزء مال متقوم نہیں ہے بلکہ جزء محترم ہے نیز خون نجس بھی ہے لیکن اگر کسی مریض کو خون کی شدید ضرورت پڑ جائے اور خون کے بغیر صحتیاب ہونے کی امید نہیں ہے تو اس کے لئے دوسرے کی رضامندی سے اس سے خون لے کر اپنے بدن میں داخل کروانا الضرورات تبیح المحظورات کے تحت جائز ہے اور اگر مفت میں نہ مل سکے تو خرید کر خون حاصل کرنا جائز اور درست ہوگا ۔ لیکن فروخت کرنے والے کے لئے خون کا پیسہ ناجائز اور حرام ہوگا اسلئے کہ خون ایسا مال نہیں ہے جس سے پیسہ حاصل کرنا جائز ہو سکے ۔ [1]

یجوز للعلیل شرب الدم والبول واکل المیتۃ للتداوی اذا اخبرہ طبیب	مریض کے لئے خون پیشاب کا پینا اور مردے کا کھانا علاج کی غرض سے اس وقت جائز ہو جاتا ہے کہ جب کوئی مسلمان ماہر حکیم یا ڈاکٹر

[1] مستفاد جواہر الفقہ ص ۳۸ ج ۲ ۔

مسلمان شفاءہ فیہ ولم یجد من المباح مایقوم مقامہ [1] — یہ بتلائیے کہ اس کی شفا اس میں ہو سکتی ہے اور کوئی اس کے قائم مقام مباح اور جائز دوا بھی میسر نہیں ہو رہی ہے۔

مادہ جانوروں کو ادھیا پر دینا

عوام کے مابین اس طرح معاملہ کرنے کا بھی رواج ہے کہ مالک اپنے مادہ جانور کو دوسرے کے ہاتھ میں اس شرط پر دیتا ہے، کہ گھاس پانی دیکھ ریکھ ہر قسم کی حفاظت کا ذمہ دار رہے گا اور اس کا دودھ اور پیدا ہونے والے بچے دونوں کے درمیان برابر برابر تقسیم ہوا کریں گے تو شرعی طور پر اس طرح کا معاملہ اجارۂ فاسدہ کے دائرہ میں داخل ہو کر ناجائز اور فاسد ہے اگر کسی نے کر رکھا ہے تو پالنے والے کو گھاس کی قیمت اور محنت کی اجرت دیکر جانور واپس لے لینا لازم ہوگا۔ اور اس میں بھینس، گائے، بکری، اونٹ مرغی سب کا حکم یکساں ہے۔

البتہ حضرات فقہاء نے جواز کی ایک شکل بتلائی ہے کہ مالک جانور کی مناسب قیمت لگا کر نصف حصہ پرورش کرنے والے کے ہاتھ فروخت کر دے پھر اس کی قیمت معاف کر دے تو ایسی

---

[1] فتاویٰ عالمگیری جـ۵ صـ۳۵۵

صورت میں جانور دونوں کے درمیان مشترک ہو جائے گا اس لئے اس کی نسل و آمدنی بھی دونوں کے درمیان نصفا نصف ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہو گا [1] اور فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں اس مسئلہ کو ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے۔

دفع بقرة الی رجل علی ان	گائے دوسرے آدمی کو اس شرط پر
یعلفها ومایکون من اللبن	دیدے کہ وہ گھاس وغیرہ کھلایا کرے
والسمن بینهما انصافا	گا اور دودھ اور گھی وغیرہ جو کچھ آمدنی
فالاجارة فاسدة وعلی	ہوگی دونوں کے درمیان وہ آدھی آدھی
صاحب البقرة للرجل اجر	ہوا کرے گی تو اجارہ کا یہ معاملہ فاسد ہوگا
قیامها وقیمة علفه	اور مالک پر پالنے والے کی یہاں رہنے کی
ان علفها من علف هو	اجرت اور گھاس کی قیمت دے کر واپس
ملکه (وقوله) والحیلة	لینا ضروری ہے جب کہ گھاس اس کی ملکیت
فی جوازه ان یبیع نصف	کی ہو (اور مصنف کا قول ہے) اور اس کے
البقرة منه بثمن ویبرئه	جواز کے لئے حیلہ یہ ہے کہ جانور کا نصف
عنه ثم یامر باتخاذ اللبن	پالنے والے کے ہاتھ فروخت کر دے اور پھر
والمصل فیکون بینهما	قیمت معاف کر دے۔ پھر دودھ اور گھی
وکذا لو دفع الدجاج	وغیرہ حاصل کرنے کا حکم کرے اور حاصل

[1] مستفاد فتاویٰ محمودیہ صفحہ ۲۰۵/۲۶، ۱۲۶/۱۴، بہشتی زیور صفحہ ۵،

على ان يكون البيض بينهما۔ الخ[1]

ہونے والی چیزیں دونوں کے درمیان تقسیم ہوا کریں گی اور ایسا ہی حکم ہوگا اگر مرغی کو اس شرط پر دیا ہو کہ انڈے دونوں کے درمیان تقسیم ہوا کریں گے۔

گڑیوں کی تجارت اور ان سے کھیلنا

جن اشیاء سے گڑیا بنائی جائے ان کی دو قسمیں ہمارے سامنے ہیں۔

قسم ۱ مٹی کپڑے پلاسٹک وغیرہ سے گڑیا بنانا اور اس کی خرید و فروخت کرنا جس میں سر اور ناک، کان آنکھ وغیرہ موجود ہوں، سب ناجائز اور ممنوع ہیں۔ نیز چھوٹے بچوں کے کھیلنے کے لیے بھی جائز نہیں ہے۔[2] اور حضرت عائشہ رضؓ کے گڑیا سے کھیلنے کا جو ذکر حدیث شریف میں آیا ہے وہ جاندار کی تصویر اور مجسمہ کی حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے کی بات ہے نیز حضرت عائشہ رضؓ کی گڑیا میں سر بھی نہیں تھا اور اصل ممانعت سر ہی کی وجہ سے ہے۔ شارحین اس مسئلہ کو ان الفاظ سے نقل فرماتے ہیں۔

عدم انكاره صلى الله عليه وسلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ رضؓ کو

---

[1] عالمگیری ص ۴۴۵ ج ۴۲ [2] فتاوی محمودیہ ص ۳۷۶ ج ۱۲، ص ۳۷۷ ج ۱۲، ص ۱۴ ج ۱۴۲

علی نهیها بالصور وابقائهما فی بیتها دال علی ان ذلک قبل التحریم ایاها۔[1]

گڑیا کی تصویر سے ممانعت نہ فرمانا اور اس کو گھر میں باقی رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ واقعہ نزول حرمت سے پہلے کا ہے۔

وادعی بعضهم ان اباحة اللعب للبنات منسوخ، الخ[2]

اور بعض علماء نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ لڑکیوں کیلئے گڑیا سے کھیلنے کی اباحت منسوخ ہو چکی ہے۔

قسم ۲

اگر لکڑی پیتل یا دیگر دھات سے گڑیا بنائی جائے، تو بنانا اور اس کو گھر میں رکھنا بچوں کو کھیلنے کے لئے دینا سب ناجائز اور ممنوع ہے لیکن چونکہ ان اشیاء میں تصویر کو ختم کرنے کے بعد مالیت باقی رہتی ہے اس لئے ان سے بلا تکلف انتفاع کیا جا سکتا ہے لہذا مالیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے فروخت کرنے والے کے لئے پیسہ تو حلال ہو گا مگر تعاون علی المعصیة کی وجہ سے نفس تجارت مکروہ ہوگی حضرات فقہاء نے اس مسئلہ کو ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔

اشتری ثورًا او فرسًا من خزف لاجل استئناس الصبی لایصح ولا قیمة له فلا یضمن متلفه[3]

جو ٹھیکرے اور مٹی کے گھوڑے یا بیل کو بچوں کے کھیلنے کے لئے خریدتا ہے تو خرید و فروخت صحیح نہیں ہے اور نہ ہی اس کی قیمت ادا کرنا لازم ہو گا لہذا اس کو ہلاک کرنے والا ضامن

---

[1] قسطلانی ص۳۴۳ ج۱۳، اشعۃ اللمعات ص۵۹۲ ج۳، حاشیہ مشکوٰۃ ص۲۸۲ ج۲، ص۵۹۳ ج۳
[2] عمدۃ القاری ص۱۷۰ ج۲۲
[3] الدر المختار کراچی ص۲۲۶ ج۵

وتحتہ فی الشامیۃ: لوکانت من خشب اوصفر جاز اتفاقا فیما یظہر لامکان الانتفاع بہا۔ [1]

بھی نہ ہوگا اور اس کے نیچے شامی میں ہے کہ اگر لکڑی اور تانبا وغیرہ سے بنائی گئی ہے تو بیع بالاتفاق جائز ہے اسلئے کہ اس سے (کسی بھی عنوان سے) انتفاع ممکن ہے۔

دو ملکوں کی کرنسی کا تبادلہ

دو ملکوں کی کرنسیوں کا حکم بیان کرنے سے قبل حضرات فقہاء کے چند اصول پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ مسئلہ کا سمجھنا آسان ہو جائے۔

اشیاء کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) وزنی۔ (۲) کیلی۔ (۳) ذرعی (۴) عددی۔

ثبوت ربا کے لئے جنسیت اور قدریت کا اتحاد شرط ہے۔

پھر مذکورہ اشیاء کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) متحد الجنس متحد القدر جیسے گیہوں چاول وغیرہ۔

(۲) مختلف الجنس مختلف القدر جیسے بھینس کی بیع گائے کے عوض میں اور گیہوں کی بیع جانور کے عوض میں۔

(۳) مختلف الجنس متحد القدر جیسے ایک کیلو چاول کی بیع ایک کیلو گیہوں کے عوض میں۔

[1] شامی کراچی ص۲۲۶ ج۵۔

(۴) متحد الجنس مفقود القدر جیسے بکری کی بیع بکری کے عوض میں۔

اب ان اقسام اربعہ میں سے پہلی قسم میں تفاضل اور نسیہ دونوں حرام ہیں اور دوسری قسم میں تفاضل اور نسیہ دونوں حلال اور جائز ہیں اور تیسری قسم میں تفاضل جائز اور نسیہ جائز نہیں ہے اور چوتھی قسم میں تفاضل جائز اور نسیہ جائز نہیں ہے۔

ہدایہ کی اس عبارت سے مذکورہ اصولوں کی وضاحت ہو سکتی ہے

واذا عدم الوصفان و المعنی المضموم الیہ حل التفاضل والنساء لعدم العلۃ المحرمۃ[1]

اور جب دونوں وصف یعنی جنس و قدر مفقود ہو جائیں تو تفاضل وادھار دونوں علت محرمہ نہ ہونے کی وجہ سے حلال ہیں۔

اور ہر ملک کی کرنسی اس ملک کے حق میں ثمن عرفی ہے۔ ثمن خلقی نہیں اور ثمن خلقی وزنی ہوا کرتا ہے اس لئے اس میں قدر و جنس کا اعتبار ہو کر تفاضل و نسیہ دونوں جائز نہیں ہوں گے۔ بلکہ برابری اور ہاتھ در ہاتھ شرط ہے اور ثمن عرفی نہ وزنی ہے نہ ہی کیلی اور زرعی ہے۔ اور جب دو ملکوں کی کرنسی ہوں تو مذکورہ اصولوں میں سے دوسری قسم (مختلف الجنس مختلف القدر) کے دائرے میں داخل ہو کر تفاضل اور ادھار دونوں جائز ہو جائیں گے۔

البتہ کسی ایک جانب سے قبضہ کرنا لازم ہو گا تاکہ بیع الکالی بالکالی

---

[1] ہدایہ ص ۶۲ ج ۳۔

لازم نہ آئے۔ مثلاً اگر ہندی کرنسی کے عوض امریکن ڈالر کا تبادلہ کیا جاتا ہے یا اس کے برعکس کیا جا رہا ہے تو ہندی کرنسی پہ قبضہ کرے اور اس کے عوض میں ڈالر بعد میں حاصل کرے یا ڈالر پر قبضہ کرے اور ہندی کرنسی بعد میں حاصل کرے تو اس طرح جائز اور درست ہو جائے گا اور اس مسئلہ کو التبیان فی زکوٰۃ الاثمان میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔

ان الاوراق النقدية ثمن عرفي ليست ثمنا حقيقيا والربا يجري في الثمن الخلقي الذاتي اذا في الاوراق النقدية من مختلف الدولة ينفي القدر والجنس اما الجنس فظاهر لاختلاف الدولة واما القدر لانها ليست من جنس الاثمان الخلقية بل عرفية فيجوز التفاضل و النسيئة الا ان القبض على احد البدلين ضروري لئلا

یقیناً کاغذ کا نقدی روپیہ (کرنسی) ثمن عرفی ہے ثمن حقیقی نہیں ہے اور سود ثمن حقیقی میں جاری ہوتا ہے لہذا جب کرنسیاں مختلف ملکوں کی ہوں تو ان میں قدر و جنس دونوں مفقود ہوں گے بہر حال جنسیت کا فقدان.. اختلاف حکومت کی وجہ سے واضح ہے اور قدریت کا فقدان اثمان خلقیہ میں سے نہ ہونے کی وجہ سے ہے بلکہ کرنسی اثمان عرفیہ میں سے ہے لہذا تفاضل اور ادھار دونوں جائز ہو جائیں گے مگر بدلین میں سے کسی ایک کو بر وقت قبضہ کر لینا لازم ہوگا تاکہ بیع الکالی بالکالی یعنی ادھار کے عوض لازم نہ آئے (جس کی حدیث شریف میں

یقع فی بیع الکالی بالکالی الخ[۱] ممانعت آئی ہے[۲]

خلاصہ یہ ہے کہ دو مختلف ملکوں کی کرنسیاں ثمن حقیقی نہیں ہیں بلکہ ہر ملک کی کرنسی مستقل طور پر ثمن عرفی ہے لہذا قدر و جنس کے فقدان کی وجہ سے کمی زیادتی اور ادھار دونوں طرح کا تبادلہ جائز اور درست ہوگا البتہ دونوں عوض ادھار نہیں ہوسکتے بلکہ ایک کا قبضہ فی الحال لازم ہوگا۔

پھٹے پرانے نوٹوں کو کم پیسے میں فروخت کرنا

اگر ملکی کرنسی پھٹ جانے کی وجہ سے مارکیٹ میں اس کی حیثیت عرفیہ گھٹ جائے اور اس روپئے سے کوئی دوسری چیز خریدی نہ جاسکتی ہو، کوئی تاجر لینے کے لئے تیار نہ ہو تو اگر... بآسانی بینک میں دے کر نئی اور صحیح کرنسی حاصل کی جاسکتی ہے تو کم قیمت میں فروخت کرنا جائز نہ ہوگا۔ لیکن اگر آسانی کے ساتھ بینک سے صحیح کرنسی حاصل نہیں کی جاسکتی ہے بلکہ پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے تو گویا کہ علاقہ میں اس کی حیثیت عرفیہ گھٹ گئی ہے اور چونکہ یہ ثمن عرفی ہے اس کی ثمنیت کا مدار عرف پر ہے تو جس قدر اس کی حیثیت گھٹ جائے گی اسی قدر کم پیسے میں اس کو فروخت کرنا

---

[۱] التبیان فی زکوٰۃ الاثمان بحوالہ مجلہ فقہ اکیڈمی ص۹۹ ج۱ [۲] مشکوٰۃ شریف ص۲۴۸ ج۱

جائز ہوگا ------ مگر اس میں شرط یہ ہے کہ معاملہ اور لین دین دست بدست ہو۔ اس لئے کہ اس کی حیثیت عرفیہ گھٹ جانے کی وجہ سے اگرچہ مختلف القدر ہو گیا ہے لیکن فی الجملہ کسی حد تک یعنی سرکاری سطح پر ثمنیت باقی ہونے کی وجہ سے اتحاد جنسیت باقی ہے۔ نیز فتاوی محمودیہ کے حاشیہ میں حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب دامت برکاتہم کی عبارت بھی اسی حکم کی تائید کرتی ہے [۱]

لاٹری کی خرید و فروخت

لاٹری کی خرید و فروخت اس وقت بین الاقوامی سطح پر بہت زیادہ زور اور شباب پر ہو گئی ہے۔ خاص طور پر جوان طبقہ اس میں زیادہ مبتلا ہے یہ شرعی طور پر ناجائز اور حرام ہے، اس سے جو رقم ملتی ہے اس کو بلا نیت ثواب غریبوں کو صدقہ کر دینا ہوگا، اور اس رقم کو مسجد یا مدرسہ یا ذاتی کام میں صرف کرنا جائز نہیں ہے۔[۲]

مروّجہ قرعہ اندازی کی اسکیم

ایک طریقۂ تجارت باقاعدہ اسکیم کے تحت تقریباً پوری دنیا میں چل رہا ہے۔ ہمارا ہندوستان بھی اس میں ملوث ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی تاجر یا کوئی کمپنی یا کوئی پارٹی ممبر سازی کرتی ہے۔ مثلاً کوئی سائیکل یا موٹر سائیکل یا ٹی، وی،

---

[۱] فتاوی محمودیہ ص ۱۷۳ ج ۴، [۲] مستفاد فتاوی محمودیہ ص ۳۵۸ ج ۱۲، ص ۲۱۹ ج ۴ جدید فقہی مسائل ص ۲۷۴ ج ۱، اسلامی فقہ ص ۲۵۶ ج ۲،

ویڈیو وغیرہ کی اسکیم چلاتی ہے اور اس چیز کی اصل قیمت مثلاً پانچ ہزار روپئے ہے اس صورت میں سو روپئے ماہانہ کے تین سو ممبر بنائے جاتے ہیں۔ اور ایک ماہ میں ایک مرتبہ قرعہ اندازی کی جاتی ہے۔ اس قرعہ میں جس ممبر کا نام نکل آتا ہے اس کو صرف سو روپئے میں وہ چیز مل جاتی ہے۔ اس طرح ہر ماہ قرعہ اندازی میں نام نکلنے والے کو وہ چیز ملتی رہے گی اور یہ صورت ہر مہینے چلے گی اور یہ اسکیم ۴۵ مہینے کی ہوتی ہے لہٰذا پینتالیسویں مہینے میں جتنے ممبر باقی رہیں گے سب کو وہ چیز مثلاً سائیکل یا موٹر سائیکل وغیرہ دیدی جائے گی۔ اس میں اسکیم چلانے کا فائدہ یہ ہے کہ اس کو پہلے ماہ میں تیس ہزار روپئے ملیں گے جس میں وہ پانچ ہزار روپئے کی چیز دیدے گا۔ اور مابقی ۲۵ ہزار روپئے کی رقم اپنی تجارت میں لگائے گا۔ اس طرح ۴۴ ماہ تک کچھ نہ کچھ رقم بچتی رہے گی اور پانچ ہزار روپئے کی چیز جاتی رہے گی اور پینتالیسویں مہینے میں مابقی ممبروں کو وہ چیز پوری پوری دیدی جائے گی اور ممبروں کا فائدہ اس میں یہ ہے کہ پہلے ماہ میں قرعہ اندازی میں نام نکلنے والے کو سو روپئے میں، دوسرے مہینہ میں نام نکلنے والے کو دو سو روپئے میں اور تیسرے مہینے میں نام نکلنے والے کو تین سو روپئے میں پانچ ہزار کی چیز مل جاتی ہے اور جس ممبر کا نام قرعہ میں نکل آتا ہے پھر اس کو وہ پیسے نہیں بھرنا پڑتے ہیں۔ اور یہ معاملہ فریقین کی رضامندی سے طے ہوتا ہے۔

شرعی حکم قرعہ اندازی اور اسکیم کا یہ معاملہ شرعی طور پر سود اور قمار دونوں کے دائرہ میں داخل ہے اس لئے اس طرح کی اسکیم میں حصہ لینا اور قرعہ اندازی سے طے شدہ اشیاء کا حاصل کرنا ناجائز اور حرام ہے [۱]

الکحول اور اسپرٹ کی تجارت

لفظ الکوہل کا استعمال کتابوں میں مختلف طریقہ سے نظر آیا۔ بہشتی زیور اور فتاویٰ رحیمیہ وغیرہ میں الکوہل، لغۃ الفقہاء میں الکحول، فیروز اللغات میں الکحل اور بعض لوگوں نے الکوحل کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ اسپرٹ اور الکحل بنانے والوں سے تعلق رکھنے والے اور تجربہ کار ڈاکٹروں سے ان دونوں کی حقیقت کے بارے میں بارہا تبادلہ خیال کیا گیا۔ معلوم ہوا کہ یہ دونوں اعلیٰ درجہ کی تیز نشہ آور شراب ہیں اور الکحول اور اسپرٹ بنانے میں شراب کی ماہیت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے اور جو لوگ شراب کے عادی ہیں وہ الکحول اور اسپرٹ کا نشہ برداشت نہیں کر سکتے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہندوستان میں عام طور پر انگور منقی کھجور کی شراب نہیں بنائی جاتی بلکہ گنے کا شیرہ جامن آلو گاجر مولی گیہوں چاول وغیرہ سے الکحول اور اسپرٹ بنائے جاتے ہیں۔

شرعی حکم: الکحول اور اسپرٹ کا عین شراب ہونا متعین ہو چکا ہے اب اگر انگور کی کچی شراب اور انگور کی پکی شراب اور منقی اور کھجور سے الکحول اور اسپرٹ

---

[۱] مستفاد فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۱ / فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۴۱

بنائے جاتے ہیں تو اسکی ناپاکی اور حرمت میں سب کا اتفاق ہے شرعی طور پر اس کا استعمال اور تجارت سب ممنوع ہوگا۔ اور اگر کپڑے میں گلٹ کے ایک روپیہ سے زائد لگ جائے تو نماز نہ ہوگی اور اگر اس سے کم ہو تو کراہت کے ساتھ نماز درست ہو جائے گی۔ اور اگر انگور اور کھجور کے علاوہ دیگر اشیاء مثلاً گنا آلو لوکی گاجر ٹماٹر مولی جامن گیہوں چاول وغیرہ سے بنایا جائے تو اس کی حرمت اور عدم حرمت میں اختلاف ہے کہ حضرت امام محمدؒ کے نزدیک حرام ہے اور حضرات شیخین کے نزدیک نجاست خفیفہ ہے اور اتنی مقدار حرام نہیں ہے جتنی پینے نشہ نہ آتا ہو ہاں البتہ جس مقدار سے نشہ آسکتا ہے وہ حرام ہے اور علماء نے حضرت امام محمدؒ کے قول پر حرمت کا فتویٰ دیا ہے۔ مگر اس وقت دنیا بھر کے لوگوں کی زندگی الکحول اور اسپرٹ کے استعمال سے منفک اور بری نہیں ہے بلکہ سب ہی مبتلا ہیں ہومیوپیتھک اور انگریزی دواؤں میں سے کوئی بھی الکحول سے خالی نہیں ہے اور تمام عطریات میں الکحول کی آمیزش ہوتی ہے اور سیاہی کی بوتلوں میں بھی الکحول ڈالا جاتا ہے تو اس ابتلاء عام کی وجہ سے مناسب یہی ہے کہ باقاعدہ پینے والوں کے حق میں امام محمدؒ کے قول کے مطابق حرمت کا حکم بتلایا جائے اور پینے کے علاوہ دیگر تمام امور میں حضرات شیخین کے قول کے مطابق مقدار نشہ سے کم کی حلت کا حکم بتلایا جائے لہذا اس کی تجارت اور دواؤں اور عطریات وغیرہ میں استعمال کی گنجائش کا حکم بتلایا جائے، اور کپڑے پر لگ جائے تو چوتھائی کپڑے سے کم پر معافی کا حکم بتلایا جائے یہی بات العرف الشذی[1] اور ہدایہ[2] وغیرہ کی عبارات سے مستفاد ہوتی ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

---

[1] العرف الشذی علی ہامش الترمذی ج۱ ص۔ [2] ہدایہ ص۱۰ ج۱

انشورنش کا شرعی حکم

حرمت ربا مسئلہ بیمہ پر گفتگو کرنے سے پہلے سود اور قمار کا حکم نصوص سے واضح کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نزول قرآن سے پہلے ربوا ایک معروف و متعارف چیز تھی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سود اور سودی کاروبار کی سخت مذمت فرمائی ہے۔ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ سود اور سودی کاروبار کو ملیا میٹ کر دیتا ہے اور صدقات و خیرات کو فروغ دیتا ہے یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقَاتِ [1]۔ دوسری جگہ ارشاد ہے کہ اے ایمان والو! اگر تم حقیقی معنیٰ میں مومن ہو تو سودی کاروبار ترک کر دو اور جو ربوٰ باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو۔ اگر تم کو یہ منظور نہیں ہے تو اللہ اور رسول سے جنگ کا اعلان کر دو اور خدائی طاقت کے مقابلہ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ [2]۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے

---

[1] سورہ بقرہ آیت ۲۷۶۔ [2] سورہ بقرہ آیت ۲۷۸۔

کھلانے والے، سودی حساب کتاب کرنے والے اور سودی معاہدہ لکھنے والے سب پر لعنت فرمائی ہے۔ عن جابر قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربٰو وموکلہٗ وکاتبہٗ وشاھدیہ الحدیث[1]۔

ربا کا لفظ سودی معاملہ کے لئے زمانۂ جاہلیت سے معروف و مشہور طریقے سے مستعمل ہوتا چلا آیا ہے۔ اور موجودہ دور میں ربا نظام تجارت کا رکن اعظم اور عمود کی حیثیت اختیار کر چکا ہے نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے جب اس کی حرمت سامنے آتی ہے تو عام طبائع ان کی حقیقت کو سمجھنے اور سمجھانے کے وقت اس کی حرمت سے ہچکچاتی ہیں اور حیلہ جوئی کی طرف مائل ہوتی ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے جس میں کوئی شخص سود کھائے بغیر محفوظ نہیں رہ سکتا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی بے انتہا احتیاط کرتا رہے اور سود سے دور بھاگتا رہے تو پھر بھی سود کا کچھ نہ کچھ حصہ اور اس کا اثر اس کو پہونچے گا اور کوئی بچ نہیں سکے گا۔ عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لیاتین علی الناس زمان لا یبقی احد الا اکل الربٰو فان لم یاکلہ اصابہ من

---

[1] ابوداؤد ص ۱۱۷ ج ۲، مسلم ص ۲۷ ج ۲، مشکوٰۃ ص ۲۴۴ ج ۱۔

بخارہ قال ابن عیسیٰ اصابہ من غبارہ۔ (الحدیث) [۱]

حرمتِ قمار اور وعید

زمانہ اسلام سے پہلے قمار اور جوا ایک مشہور اور قابلِ فخر چیز تھی اور جاہلیت عرب میں مختلف قسم کے قمار اور جوئے رائج تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قمار اور قمار بازی کی سخت مذمت فرمائی ہے اور یہ شیطانی حرکت ہے کہ شیطان قمار کے ذریعہ انسانی معاشرہ میں عداوت اور بغض وعناد اور نفرت کے بیج بوتا ہے اور اللہ کے ذکر اور نماز جیسی بنیادی عبادت سے غافل کر دیتا ہے۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطَانُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ۔ [۲] ایک جگہ فرمایا ہے کہ قمار اور جوئے میں عظیم ترین گناہ ہے اور اس میں بظاہر لوگوں کے لئے کچھ فائدہ بھی ہے لیکن اس کا گناہ فائدہ سے کہیں زیادہ ہے۔ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا [۳]

---

[۱] ابوداؤد شریف ص ۱۱۱ ج ۲، مشکوٰۃ شریف ص ۲۴۵ ج ۱۔ [۲] سورہ مائدہ آیت ۹۱۔
[۳] سورہ بقرہ آیت ۲۱۹۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے قمار کو شیطان کا ناپاک عمل قرار دیا ہے اور قمار سے دور رہنا اور اپنے آپ کو قمار سے محفوظ رکھنا دنیا و آخرت کی کامیابی کی شرط قرار دیا ہے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔[1]

اور قمار اور جوے سے انسانی زندگی درہم برہم ہوجاتی ہے اور بہت سے گھر برباد ہوجاتے ہیں اور لکھ پتی آدمی فقیر بن جاتا ہے۔[2]

اس نئے قمار کی کوئی بھی شکل قطعاً جواز کے دائرہ میں نہیں آسکتی۔

بیمہ کی حقیقت اور اس کا مقصد

اس کو اردو میں بیمہ اور انگریزی میں انشورا اور عربی میں سوکرہ اور عقد تامین کہا جاتا ہے[3]۔ اس کے معنی لغت

---

[1] سورہ مائدہ آیت ۹۰۔ [2] معارف القرآن ج۱ ص۴۸۔ [3] جواہر الفقہ ج۲ ص۱۶۹، شامی کراچی ج۴ ص۱۷۰۔

یں یقین دہانی کے ہیں اور اصطلاح اور محاورہ میں بھی قریب قریب یہی معنی ہیں۔ اس لئے کہ کمپنی کی طرف سے بیمہ کرانے والے کو بعض خطرات سے حفاظت اور بعض نقصانات کی تلافی کی یقین دہانی کرا دی جاتی ہے اور کمپنی طالب بیمہ سے ایک متعینہ رقم بالاقساط وصول کرتی رہتی ہے اور ایک معینہ مدت کے بعد اسے یا اس کے پسماندگان کو حسب شرائط واپس کر دی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ فی صد کے حساب سے کچھ مزید رقم بھی بطور سود دیتی ہے اور اس میں کمپنی کا مقصد دوسروں کو دے کر اعلیٰ شرح پر سود حاصل کرنا ہوتا ہے۔ یا تجارت میں لگا کر منافع حاصل کرنا ہوتا ہے۔[1]

بیمہ کے اقسام

بیمہ کی چار قسمیں زیادہ مشہور ہیں۔ ۱۔ زندگی کا بیمہ۔ ۲۔ املاک کا بیمہ۔ ۳۔ ذمہ داری کا بیمہ۔ ۴۔ سندی کاغذات اور نوٹوں کا بیمہ۔

زندگی کا بیمہ:۔ اس کی حقیقت یہ ہوتی ہے کہ طالب بیمہ

---

[1] جواہر الفقہ صفحہ ۱۶۹/۲۶ ۔

کی ڈاکٹری کرائی جاتی ہے۔ اور ڈاکٹر یہ رپورٹ پیش کرے کہ اگر یہ شخص کسی ناگہانی آفت کا شکار نہ ہوا تو مثلاً بیس سال زندہ رہ سکتا ہے تو ڈاکٹری رپورٹ کے مطابق بیس سال کے لئے حسب شرائط اس کی زندگی کا بیمہ کرالیتی ہے اور حسب شرائط طالب بیمہ رقم جمع کرتا رہتا ہے۔ اور جب مدت پوری ہو جاتی ہے تو عقد بیمہ مکمل ہو جاتا ہے۔ اور اس میں تین شکلیں ہو سکتی ہیں۔ ۱ طالب بیمہ مدت پوری ہونے کے بعد بھی زندہ رہے تو خود اس کو جمع شدہ رقم مع سود کے مل جاتی ہے۔ ۲ مدت مذکورہ سے پہلے مرجائے تو کمپنی اس کے پسماندگان کو حسب شرائط جمع شدہ رقم مع سود کے دے دیتی ہے۔ ۳ ڈاکٹر کے اندازہ کے مطابق مدت متعینہ کے مکمل ہو جانے پر طالب بیمہ کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس کے پسماندگان کو جمع شدہ رقم حسب شرائط مع سود کے مل جاتی ہے۔ [1]

جیون بیمہ کا شرعی حکم

زندگی کا بیمہ اور املاک کے بیمہ دونوں کی حقیقت اور

---

[1] جواہر الفقہ صفحہ ۱۷۰ ج ۲

دونوں کا حکم بالکل الگ الگ ہے جیسا کہ ماقبل میں تفصیلی فرق بیان کیا جاچکا ہے اور زندگی کے بیمہ میں تین طریقہ سے حرمت پائی جاتی ہے۔

ع۱ : اس میں جمع شدہ رقم پر بطور سود زائد رقم ملتی ہے اسلئے حقیقۃً ربٰو اور سود میں داخل ہے اور ماقبل میں حرمت ربٰو کے تحت صفحہ ۱ میں مختلف آیات قرآنیہ اور احادیث شریفہ سے سود اور ربٰو کی قطعی حرمت ثابت ہوچکی ہے۔ [۱]

ع۲ : جیون بیمہ اپنی صورت وشکل کے اعتبار سے قمار اور جوا ہے اس لئے کہ طالب بیمہ کب انتقال کر جائے گا اور کتنی زائد رقم ملے گی اور اگر کسی مجبوری سے رقم جمع کرنے کا سلسلہ بند ہوجائے تو پچھلی جمع شدہ ساری رقوم سوخت ہوجاتی ہیں اور یہ سب امور از قبیل تعلیق الملک علی الخطر ہے اور اسی کو شریعت میں قمار اور جوا کہا جاتا ہے اور ماقبل میں حرمت قمار کے تحت قمار اور جوا کی قطعی حرمت قرآنی دلائل سے ثابت ہوچکی ہے۔ [۲]

ع۳ : انسان کی جان اور اعضاء اشیاء متقومہ میں سے نہیں ہیں اور شئی غیر متقوم کا کوئی عوض نہیں ہوا کرتا ہے۔

---

[۱] سورہ بقرہ آیت ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۸، ۲۷۹ - ابوداؤد شریف ۲/۱۱۷ [۲] سورہ مائدہ آیت ۹۱ ۔ سورہ بقرہ آیت ۲۱۹ ۔ معارف القرآن ۲/۲۹ ۔

اور اگر بالفرض عوض مقرر کیا جائے تو وہ عوض نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ صورۃً رشوت ہوتی ہے۔ اور رشوت بھی بحکم خبر حرام اور باعث عذاب ہے۔ لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الراشی والمرتشی (الحدیث)[1]۔ لہٰذا ان وجوہ حرمت کی بنا پر جیون بیمہ قطعی ناجائز اور حرام ہے۔[2] اور اس کے لئے اسلامی شریعت میں کسی طرح کی کوئی وجہ جواز نہیں ہے۔

جیون بیمہ اور املاک کے بیمہ میں فرق

جیون بیمہ اور املاک کے بیمہ کے درمیان بہت بڑا فرق ہے کہ جیون بیمہ میں صریح سود اور قمار دونوں واضح طور پر موجود ہوتے ہیں اور املاک کے بیمہ میں سود کا کوئی جزء اور شائبہ بھی نہیں ہوتا البتہ بعض صورت میں قمار کا شائبہ پایا جاتا ہے اور بعض صورت میں قمار کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ لہٰذا جیون بیمہ اور املاک کے بیمہ دونوں کا حکم ایک ساتھ مخلوط کر کے بیان کرنے میں ناظرین کو کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اشتباہ اور اختلاط میں مبتلا ہو جائیں گے اس

---

[1] ابوداؤد ج۲ ص۱۴۸، ترمذی ج۱ ص۱۵۹، ابن ماجہ ص۱۶۸۔

[2] امداد الفتاوی ج۳ ص۱۶۱۔ فتاوی رحیمیہ ج۲ ص۲۰۰۔ فتاوی محمودیہ ج۶ ص۳۰۸۔ کفایت المفتی ج۸ ص۷۶، ج۸ ص۷۷۔

لیئے دونوں کا حکم اور حقیقت الگ الگ بیان کرنا لازم ہوگا اسی وجہ سے دونوں کو الگ الگ سرخیوں سے واضح کیا جاتا ہے۔

جیون بیمہ کی سخت ضرورت

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہندوستان جیسے ممالک میں مسلمانوں کو اپنی جان کا ہر وقت سخت خطرہ رہتا ہے۔ آئے دن فسادات میں سینکڑوں مسلمان جان سے مار دیئے جاتے ہیں اور اگر مسلمان اپنی جان کا بیمہ کرالیں گے تو آبرو اور جان کی حفاظت کسی درجہ میں ہوسکتی ہے۔ تو اس نازک ترین صورت حال میں تباہی اور ہلاکت سے حفاظت کے لئے مسلمانوں کا اپنی جان کا بیمہ کرالینا جائز کیوں نہیں ہے۔ اور کیا یہ الضرورات تبیح المحظورات [۱] کے تحت داخل ہوکر ایسی شدید... ضرورت نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے بیمہ جیسی حرام چیز کو اختیار کرکے اپنی جان جیسی عظیم ترین چیز کی حفاظت کی جائے؟

تو اس کے تین جواب دیئے جاتے ہیں۔

جواب ۱ ضرورت کے درجات

حضرات فقہاء نے ایسی حرام اور ناجائز چیز کا استعمال مباح

[۱] الاشباہ والنظائر صفحہ ۱۴۰۔

ہونے کے لئے اصول وضابطہ الضرورات تبیح المحظورات[1]
مقرر فرمایا ہے اور ضرورت کے پانچ درجات ہیں۔
عہ ۱: ضرورت بمعنی اضطرار۔ عہ ۲: ضرورت بمعنی حاجت
عہ ۳: ضرورت بمعنی منفعت۔ عہ ۴: ضرورت بمعنی زینت۔
عہ ۵: ضرورت بمعنی فضول۔

اور ضرورت بمعنی اضطرار سے ایسی ضرورت اور پریشانی مراد ہے کہ اگر حرام کا ارتکاب نہ کیا جائے تو ہلاکت اور جان کا سخت خطرہ ہے تو ایسی پریشانی کی حالت میں بقدر ضرورت حرام کا ارتکاب کر کے جان بچانے کی اجازت اور حکم ہے اور مذکورہ اصول اور ضابطہ میں یہی ضرورت مراد ہے۔

اور ضرورت بمعنی حاجت اور اس سے نیچے درجات کی وجہ سے حرام کا ارتکاب جائز نہیں ہے اور انڈین فسادات میں عام طور پہ وہی لوگ مارے جاتے ہیں جو خود مبتلا ہوتے ہیں اور جو لوگ دور رہتے ہیں وہ عام طور پر فساد کی زد میں نہیں آتے ہیں ہاں البتہ اگر ایسے لوگ فساد کی زد میں آتے بھی ہیں تو وہ یا تو رکشہ والے، ٹھیلے والے اور پھل والے ہوتے ہیں جو روز کی کمائی سے روز کی ضرورت پوری کرتے ہیں جو بیمہ کرانے پر قدرت نہیں

---

[1] الاشباہ والنظائر صفحہ ۱۴۰

رکھتے ہیں۔ اور یا زد میں آنے والے اجنبی اور مسافر ہوتے ہیں۔ جو درحقیقت فسادیوں کا نشانہ نہیں ہوتے ہیں۔ یا ادنیٰ طبقہ کے لوگ ہوتے ہیں جن کو بیمہ کرانے کی قوت نہیں ہوتی ہے۔

نیز فسادی بوقت بلوہ یہ امتیاز ہرگز نہیں کرتے کہ فلاں بیمہ شدہ ہے اور فلاں بیمہ شدہ نہیں ہے۔ نیز اگر یہ کہا جائے کہ بیمہ کرانے سے حکومت فسادیوں پر سخت ترین کنٹرول کرے گی تو یہ ایک امر موہوم اور متردد فیہ ہے۔ کیونکہ حکومت پہلے ہی سے کنٹرول کرنے کی ذمہ دار ہے۔ اور حکومت کو جہاں فساد کرانا ہوتا ہے وہاں عمومی بیمہ کے باوجود فساد ہوا ہے اور پچھلے دنوں جہاں جہاں فساد ہوا ہے وہاں اکثر دکانیں بیمہ شدہ تھیں جن کو فسادیوں نے جلا دیا۔ تو اسی طرح اگر جان کا بیمہ کرایا جائے تو بھی انسداد فساد کا تیقن نہیں ہو سکتا اور حکومت کی طرف سے سختی اور کنٹرول ایک متردد فیہ امر ہے امر یقینی نہیں ہے۔ اس لئے اگر الضرورات تبیح المحظورات کے تحت جیون بیمہ کی اجازت دی جائے تو فسادات اپنی جگہ ہوتے رہیں گے اور مسلمانوں میں بلاوجہ ایک قطعی حرام چیز کا ارتکاب عام ہو جائے گا جس کے

ذمہ دار حیلہ بتا کر جائز قرار دینے والے ہوں گے۔

جواب۲ جیون بیمہ الضرورات تبیح المحظورات میں داخل نہیں

اگر زبردستی جیون بیمہ کو الضرورات تبیح المحظورات[۱] کے تحت داخل کر کے گنجائش نکالی جائے تو عام مسلمانوں کے دلوں میں اس کی جو نفرت اور گندگی اور حرمت کا تصور جما ہوا ہے وہ بالکل ختم ہو جائے گا اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ مسلمان اس کو بالکل حلال اور جائز سمجھ کر کرنے لگیں گے اس لئے جیون بیمہ موجودہ حالات میں کسی طرح جواز کے دائرے میں داخل نہیں ہو سکتا۔

جواب۳ قیود و شرائط لاحاصل

دارالعلوم دیوبند سے ۲۷ جمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ میں مختلف قیودات کے ساتھ فسادات کو بنیاد بنا کر ایک فتویٰ بیمہ سے متعلق لکھا گیا تھا تو لوگوں کے درمیان سے ساری قیودات و شرائط حذف ہو گئیں اور جیون بیمہ کی حلت کی شہرت ہو گئی۔ اور لوگ اس کو حلال سمجھنے لگے۔ نیز پانچواں فقہی سیمینار اعظم گڑھ منعقد ۳۱ اکتوبر تا ۲ نومبر ۱۹۹۲ء کو وہاں کے بعض شرکاء نے

[۱] الاشباہ والنظائر صفحہ ۱۴۰

انھیں فسادات کو بنیاد بنا کر مختلف قیودات و شرائط کیساتھ جیون بیمہ کے لیۓ ایک حیلہ نکال کر تجویز لکھی تھی جس میں بعض شرکا سے عدم جواز کا نوٹ بھی لکھا تھا۔ اس لیۓ کہ فسادات کو بنیاد بنانے کی دلیل میں کوئی جان نہیں ہے جو سب کو معلوم ہے مگر چند روز کے بعد اخبار قومی آواز میں مذکورہ سیمینار کی اس تجویز کا حوالہ دے کر تمام مسلمانوں کو اپنی جان کا بیمہ کرا لینے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب دی گئی ہے اور اس تجویز میں کیا کیا شرائط و قیودات موجود ہیں ان کا کوئی ذکر نہیں ہے، نیز جن شرکا نے عدم جواز کا نوٹ لکھا تھا اس کا بھی کوئی ذکر نہیں کیا اور ادھر عوام مسلمین کے مابین یہ شہرت شروع ہو گئی کہ اب علماء نے جیون بیمہ کو حلال قرار دے دیا ہے۔ نیز دیوبند سے جو فتویٰ شائع ہوا تھا اس پر دستخط کرنے والے بعض اساتذہ دارالعلوم نے رجوع کر لیا ہے اور جو تھے فقہی سیمنار منعقدہ حیدر آباد کے شائع شدہ مجلہ کے بعض مقالات سے اس کا علم بخوبی ہو سکتا ہے اس لیۓ بلا وجہ ایک قطعی حرام چیز کو عوام کے سامنے اس طرح پیش کرنا کہ عوام اس کو حلال سمجھنے لگیں، میرے خیال میں کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

ٹیکس کی بچت کیلئے جیون بیمہ کرانا

تاجروں کی آمدنی میں سے ایک بھاری رقم انکم ٹیکس کے نام سے حکومت وصول کر لیتی ہے لیکن تاجروں کے تبلانے سے معلوم ہوا کہ اگر تاجر اور کاروباری لوگ اپنی جان کا لائف... انشورنش کرا لیتے ہیں تو حکومت ٹیکس میں سے کافی رقم معاف کر دیتی ہے۔ اگر یہ بات واقعہ کے مطابق.. اور صحیح ہے تو جس طرح اپنے روپیہ کو حفاظت کی غرض سے بینک میں جمع کر دینا جائز ہے اسی طرح ہر جبری ٹیکس جو حکومت ناگزیر طریقہ سے لیتی ہے، اس سے حفاظت کے لئے جیون بیمہ کرا لینے کی گنجائش ہوگی لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی شرط ہوگی کہ جس طرح بنیک سے حاصل شدہ سودی رقم اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح جیون بیمہ سے حاصل شدہ زائد رقم بھی اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں ہوگا اس لئے کہ زائد رقم ناپاک اور حرام ہے[۱] اور اگر انکم ٹیکس یا اس جیسا کوئی ٹیکس ادا کرنا لازم ہو گیا ہے تو اس میں یہ سودی رقم بھی دی جا سکتی ہے اور جو ٹیکس سے بچ جائے تو اس کو فقراء میں بلا نیت ثواب تقسیم کر دینا واجب ہے۔ اسی

---

[۱] مستفاد فتاوی رحیمیہ صفحہ ۱۴۳ج ۲۔

طرح جس پر ٹیکس نہیں اس پر زائد رقم پوری کی پوری فقراء کو تقسیم کر دینا واجب ہوگا[1] اس لیے کہ ناپاک اور حرام مال مالک تک نہ پہونچ سکے تو فقراء کو بلا نیتِ ثواب دے دینا واجب ہے۔ صاحب بذل فرماتے ہیں۔

لا یمکنہ ان یردہ الی مالکہ	مالک تک رسائی ممکن نہ ہو اور اپنے اوپر
ویرید ان یدفع مظلمتہ	سے ناپاک اور حرام مال کی ظلمت دور کرنا
عن نفسہ فلیس لہ حیلۃ	ہے تو اس کے لیے فقراء کو دینے کے علاوہ
الا ان یدفعہ الی الفقراء[2]	دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔

املاک کے بیمہ کی حقیقت

املاک واموال کے بیمہ کی شکل یہ ہوتی ہے کہ عمارت کارخانہ موٹر جہاز وغیرہ اشیاء کے تین ماہ یا چھ ماہ یا سال بھر تک اس طرح بیمہ کرایا جاتا ہے کہ حسبِ شرائط طالب بیمہ رقم جمع کرے گا اور مدت معینہ کے اندر اندر اگر بیمہ شدہ املاک ہلاک ہوجائے تو کمپنی صرف نقصان کی تلافی کرتی ہے اور اس میں فیصد کے حساب سے کوئی رقم بطور سود مزید نہیں ملتی ہے۔ اور اگر مدت کے اندر املاک صحیح وسالم رہ جائیں اور کسی قسم کا...

---

[1] اسلامی فقہ ۳۶۹/۲۲ ، [2] بذل المجہود ۳۷/۱۲

نقصان املاک کو نہ پہونچے تو کمپنی کوئی رقم دیندار نہیں ہوتی ہے۔ اور طالب بیمہ کو جمع شدہ اصل رقم بھی نہیں ملتی ہے بلکہ کمپنی املاک کی حفاظت کی ضامن ہوتی ہے اور کمپنی اسی ضمانت کے نام سے طالب بیمہ سے حسب شرائط رقم وصول کرلیتی ہے۔ اور مدت پوری ہونے پر طالب بیمہ کا کوئی تعلق بیمہ کمپنی کے ساتھ باقی نہیں رہتا ہے بلکہ تعلق قائم کرنے کے لئے دوبارہ ایک مدت تک کے لئے بیمہ کرانا لازم ہوتا ہے۔ اور املاک کے بیمہ کے دائرہ میں سود کی کوئی بھی شکل نہیں آتی ہے بلکہ ایک قسم کے قمار کے مشابہ ہوسکتا ہے اس لئے کہ ہلاک ہونے اور نہ ہونے میں تردد ہے اور تعلیق الملک علی الخطر ہی کو قمار کہا جاتا ہے اور بعض صورتیں ایسی بھی ہیں جن میں قمار کا شائبہ بھی نہیں ہوتا ہے۔ جو آگے تفصیل کے تحت معلوم ہوسکتا ہے

املاک کے بیمہ کا شرعی حکم

املاک کے بیمہ میں سود کا کوئی شائبہ بھی نہیں ہے کیونکہ اس میں جمع شدہ رقم واپس نہیں ملتی بلکہ اگر املاک ہلاک ہوجائے یا اس میں نقصان ہوجائے تو کمپنی صرف ہلاکت اور نقصان کی تلافی کرتی ہے اور اگر مدت مقررہ میں املاک کو کوئی نقصان

نہ پہونچے تو کمپنی جمع شدہ رقم کی مالک ہو جاتی ہے اور طالب بیمہ کو اس کے عوض میں کچھ بھی نہیں ملتا اور چونکہ املاک کو نقصان پہونچنا اور کمپنی کا اس کی تلافی کرنا ایک امر متردد فیہ اور تعلیق الملک علی الخطر ہے۔ اسلئے اس میں قمار کا شائبہ موجود ہے اس لئے علامہ شامی وغیرہ نے ایسے معاملہ میں ہلاک کا معاوضہ لینے سے ممانعت فرمائی ہے۔

باذن السلطان یقبض من التجار مال السوکرۃ و اذا ھلک من مالھم فی البحر شیئ یودی ذلک المستامن للتجار بدلہ تماما والذی یظھر لی انہ لایحل للتاجر اخذ بدل الھالک من مالہ[1]	تاجروں سے حاکم کی اجازت سے بیمہ کا مال قبضہ کیا جاتا ہے اور جب ان کا مال سمندر میں ہلاک ہو جائے تو وہ بیمہ کا ذمہ دار تاجر کو پورا بدل ادا کرے گا۔ اور جو بات میرے سامنے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ تاجر کے لئے اپنے ہلاک شدہ مال کا عوض حلال نہیں ہے۔

اور املاک کے بیمہ میں قمار کا مفہوم موجود ہونے کی وجہ سے اصل حکم عدم جواز ہی کا ہوگا۔[2] مگر آج کل کے دور میں گاڑی، دوکان، کمپنی، فرم، ایکسپورٹ وامپورٹ وغیرہ کے اموال کا وجود بغیر بیمہ کے مشکل سے مل سکتا ہے۔ اور زمانہ اور

---

[1] شامی کراچی ص۴/۱۷۰۔ [2] مستفاد امداد الفتاوی ص۳/۱۶۵۔

حالات ایسے ہیں کہ اگر کسی کی ملکیت بیمہ وغیرہ کے ذریعہ سے حکومت کے ساتھ متعلق نہیں ہے۔ تو اس پر حادثہ پیش آنے کی شکل میں حکومت کی طرف سے کوئی مدد نہیں مل پاتی اور اگر بیمہ کے ذریعہ سے سرکاری کمپنی کے ساتھ تعلق قائم کیا جائے تو حکومت پوری طرح تلافی کرا دیتی ہے اور آئے دن اموال پر آگ لگا کر یا کسی اور طریقہ سے ہلاک کئے جانے کے واقعات کثرت کے ساتھ پیش آتے رہتے ہیں اور اموال واملاک کے بیمہ میں سود کا بھی کسی قسم کا شائبہ نہیں ہے البتہ قمار کا مفہوم پایا جاتا ہے اور موجودہ نازک ترین صورت حال میں الضرر یزال [1] اور الضرورات تبیح المحظورات [2] اذا تعارض مفسدتان روعی اعظمہما ضررًا بارتکاب اخفہما [3] (ترجمہ) جب دو مفسد اور خرابیاں جمع ہو جائیں تو دونوں میں اخف کو اختیار کر کے اشد کو دور کرنے کی رعایت رکھی گئی ہے۔" وغیرہ قواعد کے تحت اس کو داخل کر کے اگر عارضی اور وقتی طور پر گنجائش مان لی جائے تو میرے خیال میں کوئی مضائقہ نہ ہوگا۔ لہٰذا املاک واموال کا بیمہ اس طرح گنجائش کے دائرے میں داخل ہو سکتا ہے اور نقصانات کی تلافی کے نام سے کمپنی جو رقم دیتی ہے وہ امداد و

---

[1] الاشباہ ص ۱۳۹۔ [2] الاشباہ ص ۱۴۰۔ [3] الاشباہ ص ۱۴۵ ج۔

اعانت کے درجے میں ہو گی اور اگر بیمہ شدہ اموال واملاک کی حفاظت کی ذمہ داری کمپنی اپنے اوپر لیتی ہے اور از خود یا اپنے وکیل کے ذریعہ سے حفاظت کرتی ہے تو قمار کا شائبہ بھی باقی نہیں رہیگا اور جمع شدہ رقم اجرت کے حکم میں ہو جائے گی۔ اور نقصانات کی تلافی کی رقم ضمانت وتاوان کے درجے میں ہو کر جائز ہو جائے گی۔

وان کان صاحب السوکرۃ	خلاصہ ترجمہ: اور اگر بیمہ کمپنی از خود مال
موصاحب المرکب یکون	پہونچانے کی ذمہ دار ہے تو وہ اجیر مشترک
اجیر المشترک (الی قولہ) ولو	ہوگا (شامی کا قول) اگر خوف کرتے ہوئے
قال ان کان مخوفاً واخذ	کہتا ہے کہ میں اس کا ضامن ہوں گا تو ضامن
مالك فانا ضامن ضمن [۱]	ہو جائے گا۔

اور ایسی صورت میں ہلاک شدہ مال سے اگر زائد ملتا ہے تو ہلاک شدہ کے بقدر اپنے لئے رکھ کر زائد حصہ کو واپس کرنا ممکن ہو تو واپس کر دیں ورنہ صدقہ کر دینا لازم ہوگا لیکن جیون بیمہ میں صریح سود اور قمار دونوں موجود ہونے کی وجہ سے جواز کے دائرہ میں کسی طرح نہیں آسکتا اور سود و قمار دونوں پر غالب آنے والی کوئی اضطراری ضرورت اور دلیل بھی ہمارے سامنے

---

[۱] شامی کراچی ص ۱۷۰ ج ۴۔

نہیں ہے جس کی وجہ سے سود وقمار دونوں کو اختیار کرنے کی اجازت اور گنجائش نکل سکے اب جیون بیمہ اور املاک کے بیمہ کے درمیان کتنا بڑا فرق ہے ناظرین کے سامنے واضح ہو چکا ہوگا۔ اس لئے جیون بیمہ اور املاک کے بیمہ' دونوں کو ایک ساتھ مخلوط کر کے بیان کرنے میں دونوں کا حکم واضح ہونا بہت مشکل ہے۔

ذمہ داری کے بیمہ کی حقیقت

اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ بچوں کی تعلیم وشادی وغیرہ کے لئے کمپنی ذمہ داری لیتی ہے اور بچوں کے نام سے حسب شرائط اولیاء جمع کرتے رہتے ہیں اور اگر مدت معینہ پوری ہونے سے قبل طالب بیمہ رقم جمع کرنا بند کر دے تو جمع شدہ رقم واپس نہیں ملتی ہے۔

ذمہ داری کے بیمہ کا شرعی حکم

بچوں کی تعلیم اور شادی وغیرہ کی ذمہ داری کا بیمہ کرایا جاتا ہے اور اس میں جیون بیمہ کی طرح سود و قمار دونوں موجود ہوتے

لہ جواہر الفقہ ص ۱۷۱/۲ ۔

ہیں۔ اس میں جان وغیرہ کا کوئی خطرہ کسی بھی حال میں نہیں ہے اس لئے قطعی حرام اور ناجائز ہوگا۔ کیونکہ مقصود حاصل کرنے کے لئے اس طرح کا بیمہ کرایا جاتا ہے۔

سندی کاغذات اور نوٹوں کے بیمہ کی حقیقت

اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ ڈاکخانہ وغیرہ میں رجسٹری خطوط اور رقم اور نوٹوں کو رجسٹری بیمہ کے ذریعہ دوسری جگہ ارسال کیا جاتا ہے اور محکمۂ ڈاک وغیرہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری لیتا ہے اور ضائع شدہ اشیاء کا ضمان محکمۂ ڈاک وغیرہ پر لازم ہوتا ہے اور یہ شکل شرعاً جائز و درست ہے۔ [1]

سندی کاغذات اور نوٹوں کے بیمہ کا شرعی حکم

محکمہ ڈاک وغیرہ میں جو سندی کاغذات اور رجسٹری رقم وغیرہ کا بیمہ کرایا جاتا ہے وہ شرعاً جائز اور مباح ہے اسلئے کہ محکمہ ان کاغذات اور نوٹوں کی حفاظت کا خود ذمہ دار ہوتا ہے اور وہ اپنی ضمانت میں وہ اشیاء قبضہ میں لیتا ہے اور اس طرح کا معاملہ شرعاً جائز اور مباح ہے۔ [2]

---

[1] جواہر الفقہ صفحہ ۱۹۲/۲۔ امداد الفتاوی صفحہ ۱۶۱/۳ — [2] امداد الفتاوی صفحہ ۱۶۱/۳۔ جواہر الفقہ صفحہ ۱۹۲/۲

وان کان صاحب السوکرۃ هو صاحب المرکب یکون اجیرامشترکاً (الی قولہ) ولو قال ان کان مخوفا واخذ مالک فاناضامن ضمن الخ[1]

اور اگر بیمہ کمپنی از خود مال پہونچانے کی ذمہ دار ہے تو وہ اجیر مشترک ہوگا اور شامی کا قول اگر خوف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اگر تمہارا مال لے لیتا ہے تو میں اس کا ضامن ہوں گا تو ضامن ہو جائے گا۔

سرکاری ملازم کی تنخواہ سے جیون بیمہ کیلئے کٹوتی

سرکاری ملازمین کی تنخواہ میں سے سرکار جیون بیمہ کے نام سے جو رقم کاٹ لیتی ہے اس کی دو شکلیں سامنے آتی ہیں۔

شکل ۱ ملازم سے سرکار تنخواہ دیتے وقت لازمی جبری طور پر پراویڈنٹ فنڈ کی طرح جیون بیمہ کے نام تنخواہ کا خاص حصہ کاٹ لیتی ہے اور پھر اپنے ضابطہ کے مطابق اس رقم پر سود کے نام سے اضافہ کرتی جاتی ہے اور بعد میں اصل رقم پر اضافہ کیساتھ حکومت ملازم کو اور اس کی موت کی صورت میں اسکے ورثہ کو دیدیتی ہے۔ تو ایسی صورت میں اضافہ شدہ رقم سود کے دائرے میں داخل ہوگی یا نہیں؟

تو جواب یہ ہے کہ ایسی صورت میں اضافہ شدہ رقم سود کے

---

[1] شامی کراچی صفحہ ۱۷۰ جلد ۳ ۔

دائرہ میں داخل نہیں ہو گی۔ اسلئے کہ شریعت میں سود اس کو کہا جاتا ہے کہ انسان اپنی ملکیت کی چیز دیدے اور پھر وہی چیز اضافہ کے ساتھ واپس آجائے۔ اور ملکیت ثابت ہونے کے لیئے قبضہ شرط ہے۔ اور جب ملازم نے تنخواہ سے کٹی ہوئی رقم پر قبضہ نہیں کیا تو وہ اس کا مالک بھی نہیں ہوا ہے اسی وجہ سے اس حصہ پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے لہذا اس رقم پر جو اضافہ ملے گا وہ سود بھی نہ ہوگا۔ بلکہ انعام کے دائرے میں داخل ہوکر جائز اور حلال ہوجائے گا۔ [1]

شکل ۲ ملازم پر جیون بیمہ میں رقم جمع کرنے کے لیئے کوئی قانون اور پابندی نہیں ہے بلکہ ملازم اپنی تنخواہ میں سے بخوشی کٹوا دیتا ہے یا اپنے اختیار سے بیمہ کرا لیتا ہے اور پھر اپنی تنخواہ میں سے کاٹ لینے کا بنیک کو اختیار دیتا ہے تو ایسی صورت میں گویا ملازم نے تنخواہ تقسیم کرنے والے کو اپنی طرف سے قبضہ کرکے بیمہ کمپنی میں جمع کرنے کا وکیل بنا دیا ہے اور وکیل کا قبضہ شرعاً اپنا قبضہ ہوتا ہے۔ اسلئے اس طرح کٹوائی ہوئی رقم میں ملازم کی ملکیت ثابت ہوجاتی ہے لہذا اس پر جو اضافہ ملے گا وہ شرعاً سود ہوگا۔ وہ ملازم کے لیئے شرعاً ناجائز اور حرام ہوگا۔ اسی طرح اگر کچھ حصہ ضابطہ

---

[1] فتاوی رحیمیہ صہ ۱۴۱ ج ۶۔

اور قانون کے تحت جیون بیمہ کے لئے کاٹا جاتا ہے اور ملازم اپنے فائدہ کے لئے مزید کچھ حصہ کٹوا دیتا ہے تو کٹوائی ہوئی رقم پر جو اضافہ ملے گا وہ سود اور حرام ہوگا۔ اور اسی وجہ سے اصل رقم کی زکوٰۃ ادا کرنا بھی واجب ہو جاتا ہے۔ [۱]

ای ایس اے کارپوریشن

ای ایس، اے کارپوریشن۔ یہ امپلائنز اسٹیٹ انشورنس کارپوریشن کا مخفف ہے۔ نئی دہلی میں بال بھون سے متصل اس کمپنی کا پورے ہندوستان کا ہیڈ کواٹر (مرکزی دفتر) ہے۔ اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ پورے ہندوستان میں جس کمپنی یا فیکٹری میں بیس سے زائد ملازم کام کرتے ہوں اور اس فیکٹری میں تقری فیس پاور کی بجلی کا استعمال ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو ہر صورت میں اس کمپنی یا فیکٹری کے جن ملازمین کی تنخواہ تین ہزار سے کم ہو، ایس اے کارپوریشن ان کا جبری بیمہ کروالیتی ہے اور جن کی تنخواہ تین ہزار سے زائد ہوتی ہے ان کا جبری بیمہ نہیں کراتی ہے اور بیمہ کی شکل یہ ہوتی ہے کہ ملازم کی تنخواہ میں سے سوا دو فیصد کاٹ لیتی ہے اور اس کا دوگنا

---

[۱] مستفاد فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۴۲ ج ۵۔ احسن الفتاویٰ ص ۲۶ ج ۴۔ فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۰۴ ج ۷

یعنی ساڑھے چار فیصد کمپنی یا فیکٹری کے مالک سے لیکر کل پونے سات فیصد کارپوریشن اپنے دفتر میں جمع کرلیتی ہے۔ مثلاً بیس روپیہ ملازم کا ہے تو چالیس روپیہ مالک سے لے کر کل ساٹھ روپیہ جمع کرلیتی ہے اور کارپوریشن جو رقم بیمہ کے نام سے جمع کرلیتی ہے اس کی اصل اور نفع کچھ بھی ملازم کو واپس نہیں کرتی ہے۔ ہاں البتہ جب ملازم بیمار ہو جائے اور یا اس کو کوئی حادثہ پیش آجائے، تو اس کے ان ایام کی پوری تنخواہ اور پورا خرچہ کارپوریشن برداشت کرتی ہے اور اسی طرح ملازم کی موت پر اس کے کفن و دفن کا خرچہ بھی برداشت کرتی ہے۔ نیز موت کے بعد اس کی فیملی کے لیئے افراد کے تناسب اور مدت ملازمت کے تناسب کی رعایت سے اس وقت تک کے لیئے پنشن دیتی ہے کہ جب تک اس کے بچے برسر روزگار نہ ہو جائیں۔ اور اگر ملازم کی اولاد نہ ہو تو اس کی بیوی کو تاحیات یا نکاح ثانی منجانب کارپوریشن پنشن دی جاتی ہے۔ نیز اگر تھری فیس پاور کی بجلی استعمال ہوتی ہے تو فیکٹری میں بیس سے کم ملازم ہونے کی صورت میں بھی مذکورہ تفصیل سے ملازمین کا بیمہ کرایا جاتا ہے

شرعی حکم | بیمہ کی اس شکل میں سود کا نہ ہونا واضح ہے۔ اس لیئے کہ جو رقم ایس' اے کارپوریشن بیمہ

کے نام سے لے لیتی ہے وہ واپس نہیں ملتی۔ البتہ حادثہ کے موقع پر مل سکتی ہے جو کہ امر متردد فیہ ہے اور اس طرح امر متردد فیہ کی وجہ سے قمار کا مفہوم اس میں موجود ہے اور شرعی طور پر اس میں ملازم اور مالک فیکٹری دونوں میں سے کوئی بھی گناہ گار نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ یہ بیمہ سرکار کی طرف سے جبراً کرایا جاتا ہے اور ملازم اور مالک دونوں اس سے بچنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

نیز ملازم کی موت کے بعد ورثاء کو اوپر کی تفصیل کے مطابق جو رقم ملتی ہے اگر وہ جمع شدہ رقم سے زیادہ ہو جائے تب بھی وہ رقم بلاشبہ حلال اور جائز ہوگی اس لئے کہ زائد ملنے کی صورت میں یہ پراویڈنٹ فنڈ کے مشابہ ہوگا کیونکہ جس رقم پر اضافہ مل رہا ہے ملازم اس پر قبضہ نہ کرنے کی وجہ سے مالک نہ ہو سکا تھا۔ لہذا اضافہ شدہ رقم انعام اور تعاون کے حکم میں ہو کر جائز ہو جائے گی۔ [۱]

واللہ المستعان وھو المعین

شبیر احمد عفا اللہ عنہ ۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۲ھ

---

[۱] مستفاد فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۴۷ ج ۵ - احسن الفتاویٰ ص ۲۶ ج ۷ -

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مُسلم فنڈ اور غیر سُودی بینک کاریُ

رباکی حُرمت اور شدّتِ وعید نزولِ قرآن سے پہلے ربا ایک معروف اور متعارف چیز تھی، اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں سُود اور سودی کاروبار کی سخت مذمت فرمائی ہے۔ اور سُود کھانے والے قیامت کے روز حیرانی و مدہوشی کی حالت میں خبطی بنا کر اٹھائے جائیں گے۔

اَلَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوۡمُوۡنَ اِلَّا کَمَا یَقُوۡمُ الَّذِیۡ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیۡطٰنُ مِنَ الۡمَسِّ۔ الآیۃ[1]

جو سُود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن نہیں اٹھیں گے مگر اس شخص کی طرح جس کو شیطان نے لپٹ کر خبطی بنا دیا ہو۔

ایک جگہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام فرمایا ہے۔

اَحَلَّ اللّٰہُ الۡبَیۡعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا[2]

اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا

دوسری جگہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سُود اور سودی کاروکار کو ملیامیٹ کر دیتا ہے۔ اور صدقات وخیرات کو فروغ دیتا ہے۔

---

[1] و [2] سورۂ بقرہ آیت ۲۷۵۔

يَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرۡبِي الصَّدَقٰتِ ۗ الآیہ — اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقہ کو بڑھاتا ہے۔

تیسری جگہ سودی کاروبار کو چھوڑنے اور اس سے باز رہنے کو ایمان کی شرط قرار دیا ہے۔ اور سودی لین دین میں جمے رہنے اور اس سے باز نہ آنے والوں کو خدا اور رسول سے جنگ کا چیلنج دیا ہے۔ اور فرمایا کہ اے ایمان والو! اگر تم حقیقی معنی میں مؤمن ہو تو سودی کاروبار ترک کرو اور جو ربٰو باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو۔ اگر تم کو یہ منظور نہیں تو اللہ اور رسول سے جنگ کا اعلان کر دو۔ اور خدائی طاقت کے مقابلہ کے لئے تیار ہو جاؤ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوۡا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوۤا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا فَاۡذَنُوۡا بِحَرۡبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ - الآیۃ [۲]

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور سود میں سے جو باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم اللہ پر ایمان ویقین رکھتے ہو پس اگر تم ایسا نہیں کروگے تو اللہ اور اللہ کے رسول سے جنگ کا اعلان کر دو اور تیار ہو جاؤ۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے، سودی حساب و کتاب کرنے والے اور سودی معاہدہ لکھنے والے سب پر لعنت فرمائی ہے۔

عَنۡ جَابِرٍؓ قَالَ لَعَنَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ اٰكِلَ الرِّبٰوا وَمُوۡكِلَهٗ وَكَاتِبَهٗ وَشَاهِدَيۡهِ [۳] (الحدیث)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے اور کھلانے والے اور اس کا معاملہ لکھنے والے اور اس کی شہادت دینے والے سب پر لعنت فرمائی ہے۔

---

[۱] سورہ بقرہ آیت ۲۷۶ [۲] سورہ بقرہ آیت ۲۷۸، ۲۷۹۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور ایک جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید شدت کے ساتھ یہ فرمایا کہ ایک درہم کے بقدر سود کھانا چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ بدتر ہے۔

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دِرْہَمُ رِبًوا یَاکُلُہُ الرَّجُلُ وَہُوَ یَعْلَمُ اَشَدُّ مِنْ سِتَّۃٍ وَثَلٰثِیْنَ زَنْیَۃً (الحدیث)[1]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سود کا ایک درہم کھانے والا جبکہ وہ اس کی حرمت کو جانتا ہے تو چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ بدتر ہے۔

اور اسی حدیث شریف کے ذیل میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ربا کو چھتیس مرتبہ زنا سے زیادہ برا اس لئے کہا گیا کہ سودی کاروبار اللہ و رسول سے اعلانِ محاربہ اور مقابلہ آرائی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اور رسول سے مقابلہ آرائی چھتیس مرتبہ زنا سے زیادہ برا اور باعثِ بربادی ہے[2]۔

سودی معاملہ میں ابتلاء عام اور رفاہی اداروں کا قیام اور اس کی ضرورت

ربا کا لفظ سودی معاملہ کیلئے زمانۂ جاہلیت سے معروف مشہور طریقہ سے مستعمل ہوتا چلا آیا ہے۔ اور موجودہ دور میں ربا نظامِ تجارت کا رکنِ اعظم اور عمود کی حیثیت اختیار کرچکا ہے۔ نصوصِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے جب اس کی حرمت سامنے آتی ہے تو عام طبائع اس کی حقیقت کو سمجھنے اور سمجھانے کے وقت اس کی حرمت سے ہچکچاتی ہیں اور حیلہ جوئی کی طرف مائل

(بقیہ سابقہ) ابوداؤد شریف ص۱۱۱ ج۲، مسلم شریف ص۲۷ ج۲، مشکوٰۃ شریف ص۲۴۴ ج۱۔

[1] مشکوٰۃ شریف ص۲۴۶ ج۱ [2] حاشیہ مشکوٰۃ شریف ص۲۴۶ ج۱، اشعۃ اللمعات ص۲۳ ج۳۔

ہوتی ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک زمانہ ایسا آنیوالا ہے جس میں کوئی شخص سود کھائے بغیر محفوظ نہیں رہ سکتا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی بے انتہار احتیاط کرتا رہے اور سود سے دُور بھاگتا رہے تو پھر بھی سود کا کچھ نہ کچھ حصّہ اور اس کا اثر اس کو پہونچے گا اور کوئی نہیں بچ سکے گا۔

عَن ابی هریرۃؓ انّ رسُولَ اللہ صَلّی اللہ علیہِ وَسَلم قال لیاتینَّ علی النّاسِ زمانٌ لایبقیٰ احدٌ الّا اکل الرّبٰوا فان لم یاکلہ اصابہٗ مِن بخارہ قال ابن عیسیٰ اصابہٗ مِن غبارہٖ[1] (الحدیث)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یقیناً لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آنیوالا ہے کہ اس میں کوئی آدمی سود کھائے بغیر باقی نہیں رہیگا البتہ اگر کوئی نہیں کھاتا ہے تو اس کو اسکا بخار یا غبار تو ضرور پہونچیگا۔

جب دورِ حاضر میں سودی لین دین انسانی دنیا کی تجارت اور معاملات کا جزوِ لاینفک بن چکا ہے تو اس سے فرار اختیار کرنے اور عام مسلمانوں کو اس کے وبال سے بچانے کے لئے ایسی سوسائٹیاں اور قومی اداروں کا قیام اور اُن کو فروغ دینا جن کے ذریعہ سے عامۃ المسلمین کو سودی معاملات سے محفوظ رکھا جا سکے۔ رہبرانِ ملّت کے لئے صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے۔ اور ان اداروں کے قیام کا مقصد صرف اور صرف مسلمانوں کو سود کے عام وبال سے محفوظ رکھنا اور ان کو صحیح طریقہ پر لگا دینا ہو۔ اور ان اداروں کے قائم

---

[1] ابوداؤد شریف ص ۱۱۲/۲ مشکوٰۃ شریف ص ۲۴۴/۱۲

کرنے والے اور ذمہ داران اقتصادیات کو زیادہ سے زیادہ فروغ دینے اور بہتر سے بہتر بنانے کی نیت ہرگز نہ کریں۔ نیز اگر سوسائٹی اور فنڈ کسی وقت اس قابل ہوجائے کہ اس کو قرض کے فارم و معاہدہ نامہ کی قیمت کی ضرورت نہ رہے تو فارم وغیرہ بلاقیمت دیدیا کریں۔

پاس بک کی فروختگی کا جواز پاس بک شرعاً مال اور شیٔ مرغوب فیہ میں داخل ہے۔

ما من شانہ ان ترغب الیہ النفس وھو المال الخ[1] — جو شیٔ کی حیثیت یہ ہوتی ہے کہ اس کی طرف دل کا میلان ہوتا ہے وہی مال ہوا کرتا ہے۔

اور ہر قسم کے مال اور شیٔ مرغوب فیہ کی خرید و فروخت بلا کراہت جائز اور درست ہے۔

اما رکن البیع فھو مبادلۃ شیٔ مرغوب بشیٔ مرغوب الخ[2] — بیع کا رکن یہی ہے کہ شیٔ مرغوب کا دوسری شیٔ مرغوب کے ساتھ تبادلہ کیا جائے۔

اس لئے امانت کی رقم جمع کرنے والوں کے ہاتھ پاس بک فروخت کرنا اور اس سے ملنے والی رقوم رفاہی ادارے کی کسی بھی ضرورت میں خرچ کرنا بلاتردد جائز اور درست ہوگا۔ اس کے لئے مزید دلائل انشاء اللہ فارم کی فروختگی کے مسئلہ کے تحت پیش کئے جائیں گے۔

---

[1] فتاویٰ محمودیہ ص ۲۲۸ ج ۱۴ [2] شامی کراچی ص ۵۰۲ ج ۴۔
[3] بدائع الصنائع ص ۱۳۳ ج ۵ ھکذا فی شامی کراچی ص ۵۰۲ ج ۴۔

رفاہی اداروں کے لئے عطایا اور صدقات میں حیلہ تملیک کا حکم

رفاہی اداروں کے چلانے کے لئے صدقات غیر واجبہ کا حاصل کرنا اور اس کے ذریعہ سے ان اداروں کو فروغ دینا اور وقت ضرورت پر اس میں سے غریبوں اور ناداروں پر صرف کرنا شرعاً جائز اور درست ہوگا۔

لان النفل یجوز للغنی کما للھاشمی الی قوله لان الصدقة علی الغنی ھبة الخ[1]

نفلی صدقہ ایسا ہی مالدار کے لئے جائز ہے جیساکہ سید وھاشمی کے لئے جائز ہوتا ہے۔ اسلئے کہ مالدار پر صدقہ ہبہ کے حکم میں ہوتا ہے۔

اور صدقات واجبہ کے اصل مستحق و مصرف فقراء ہیں، اور فقراء اور ناداروں کو نہ دے کر سوسائٹی اور قومی فنڈ اور دیگر رفاہی اداروں میں صرف کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ حتیٰ کہ تعمیر مساجد و مدارس، پل، سڑک، نہر، حج اور جہاد (وغیرہ) جیسے اہم امور میں بھی صرف کرنا جائز نہیں ہے۔

ویشترط ان یکون الصرف تملیکاً لا اباحة ولا یصرف الی بناء نحو مسجد وفی الشامیة کبناء القناطر والسقایات واصلاح الطرقات وکری الانھار والحج والجھاد وکل مالا تملیک فیہ الخ[2]

اور زکوٰۃ کی ادائگی میں فقراء کو مالک بنانا شرط ہے محض مباح کردینا کافی نہیں ہے، اور مسجد جیسے شخص حکمی پر خرچ کرنا جائز نہیں، اور شامی میں ہے کہ اسی طرح جائز نہیں ہے پلوں اور مسافر خانوں اور سڑکوں کی تعمیر اور نہروں کی کھدائی اور حج اور جہاد اور ہر ایسے امور میں کہ جن میں کسی شخص حقیقی کو مالک بنانا نہ پایا جائے۔

---

[1] البحر الرائق ص۲۴۵ ج۲ فتاوی عالمگیریہ ص۱۸۹ ج۱ [2] الدر المختار مع الشامی کراچی ص۳۴۴ ج۲ مجمع الانہر ص۲۲۲ ج۱ جوہرہ ص۱۵۷ ج۱

لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رفاہی اداروں کا قیام اور انکے اخراجات اگر قومی امداد اور صدقات غیر واجبہ وغیرہ سے پورے نہ ہوں تو کیا یہ ایسے اہم شرعی امور ہیں کہ جن کے حصول کے لئے صدقہ واجبہ میں حیلۂ تملیک جائز اور مشروع ہو سکے؟ تو حیلۂ تملیک کے لئے حضرات فقہاء نے یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ حرام سے فرار اختیار کرنے اور معصیت میں مبتلا ہونے سے حفاظت کے لئے حیلہ اختیار کرنا جائز اور مندوب اور مستحسن ہے، بشرطیکہ اس میں کسی انسان کی حق تلفی نہ ہوتی ہو۔ اور ساتھ ساتھ یہ مسئلہ بھی بیان فرمایا ہے کہ احکام الٰہیہ سے فرار اختیار کرنا اور درپردہ کسی کو اپنے حق سے محروم کرنے کے لئے حیلہ جوئی کرنا ہرگز جائز نہیں۔ اور اس کے لئے یہ ضابطہ مقرر فرمایا ہے کہ ہر وہ حیلہ جس کے ذریعہ سے حرام اور معصیت میں مبتلا ہونے سے حفاظت ہو، یا حرام سے بچکر حلال تک رسائی ہو سکے وہ جائز و مندوب ہے۔

وکل حیلۃٍ یحتال بھا الرجل لیتخلص بھا عن الحرام اولیتوصل بھا الیٰ حلالٍ فھی حسنۃ الخ [1]	اور ہر ایسا حیلہ جس کو انسان اس لئے اختیار کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے حرام سے چھٹکارا حاصل کرے یا اسکے ذریعہ حلال تک رسائی حاصل کرتا ہے وہ مناسب ہے۔
والاحتیال للھروب عن الحرام والتباعد عن الوقوع فی الآثام لاباس بہ بل ھو مندوبٌ الیہ الخ [2]	حرام سے فرار اختیار کرنے اور گناہ میں پڑنے سے دوری اختیار کرنے کے لئے حیلہ کرنے کی گنجائش ہے بلکہ مندوب بھی ہو سکتا ہے۔

---

[1] فتاویٰ ہندیہ ص ۳۹۰ ج ۶ [2] عمدۃ القاری ص ۱۰۸ ج ۲۴ -

اور ہر وہ حیلہ جس کے ذریعہ سے احکامِ الٰہیہ سے فرار اختیار کرنا یا کسی کے حق کو باطل کرنا یا اس کے ذریعہ شبہات میں مبتلا ہونا لازم آتا ہے وہ ناجائز اور امرِ مکروہ ہے۔

ان کل حیلۃٍ یحتال بھا الرجل لابطال حق الغیر او لادخال شبھۃ فیہ او لتمویہ باطل فھی مکروھۃ اھ[1]

بیشک ہر وہ حیلہ جس کے ذریعہ سے غیر کے حق کو باطل کیا جائے یا اس حق میں شبہ پیدا کرنے یا باطل کی آمیزش کے لئے کیا جائے وہ ناجائز اور مکروہ تحریمی ہے۔

ولیس من اخلاق المؤمنین الفرار من احکام اللہ بالحیل الموصلۃ الی ابطال الحق الخ

یہ مسلمانوں کے اخلاق میں سے نہیں ہے کہ احکامِ الٰہی سے ایسے حیلوں کے ذریعہ فرار اختیار کیا جائے جو ابطالِ حق کو لازم ہیں۔

لیکن خاکسار کے خیال میں رفاہی اداروں کے اخراجات ایسی اہم اور اشد دینی ضروریات میں داخل نہیں ہیں کہ جن کی وجہ سے فقراء اور غریبوں کو حقِ زکوٰۃ سے محروم کیا جا سکے۔ بلکہ ان اداروں کی اہمیت زیادہ سے زیادہ تعمیرِ مساجد وقناطر وسقایات وجہاد کے درجہ میں ہو سکتی ہے۔ اور ان میں حضراتِ فقہاء نے حیلۂ تملیک کی اجازت نہیں دی ہے۔ اس لئے رفاہی اداروں کے لئے حیلۂ تملیک جائز نہ ہوگا۔

---

[1] ابو داؤد شریف ص ۱۱/۲۳۶ فتاویٰ عالمگیریہ ص ۳۹۰/۶ [2] عمدۃ القاری ص ۱۰۹/۲۴۶

اجرۃ الخدمت کا عدم جواز اور ضرورت کے درجات

اجرۃ الخدمۃ (سروس چارج) کے نام سے قرض لینے والوں سے رقم وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس کے لئے شرعی حکم یہ ہے کہ قرض گیرندگان سے اجرۃ الخدمۃ کے نام سے کسی بھی طرح کی کوئی رقم وصول کرنا حدیث نبویؐ:

کل قرض جر منفعۃً فھو ربوا (الحدیث)[1] ہر وہ قرض حرام اور سود کے دائرہ میں آتا ہے جو نفع لیکر آتا ہو۔

کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے شرعاً اس کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ ایک اہم ترین ضرورت ہے اس کے لئے مستقرض سے واقعی اور ضروری اخراجات وصول کرنے کی گنجائش ہونی چاہئے۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ضرورت کی کونسی قسم میں داخل ہے۔ اور ضرورت کی کل پانچ قسمیں اور پانچ درجات ہیں۔

(۱) ضرورت۔ بمعنی اضطرار جس کی وجہ سے حرام چیزوں (میتہ اور شراب وغیرہ) کا استعمال جائز ہوتا ہے۔

(۲) ضرورت بمعنی حاجت جس کی وجہ سے حرام اشیاء کا استعمال جائز نہیں ہوتا۔ البتہ عبادات میں تخفیف آجاتی ہے جیسا کہ حالت عذر و سفر وغیرہ میں

---

[1] طحاوی شریف ص ۲۲۹ ج ۲، نصب الرایہ ص ۶۰ ج ۴، شامی کراچی ص ۱۶۶ ج ۵، بدائع الصنائع ص ۳۹۵ ج ۷۔

روزہ افطار اور ترکِ جماعت وغیرہ۔
(۳) ضرورت بمعنی منفعت جیساکہ قوت حاصل کرنے کے لیے عمدہ غذا وغیرہ تناول کرنا۔
(۴) ضرورت بمعنی زینت۔ جیساکہ میلان طبع کی وجہ سے حلوہ ومٹھائی وغیرہ کھانا۔ (۵) ضرورت بمعنی فضول۔ جیساکہ خواہش نفس کی وجہ سے حرام اور مشتبہ چیزوں کا کھانا۔

وفی فتح المدبر ھٰھنا خمسة مراتب ضرورة وحاجة ومنفعة وزينة وفضول فالضرورة بلوغه حدًا ان لم يتناول الممنوع هلك اوقارب وهٰذا يبيح تناول الحرام والحاجة كالجائع لو لم يجد ما يا كلہ لم يهلك غيرانه يكون فی جهدٍ ومشقةٍ وهٰذا لايبيح الحرام و يبيح الفطر فی الصوم والمنفعة كالذی يشتهی خبز البر ولحم الغنم والطعام الدسم والزينة كالمشتهی بحلوی والسكر و الفضول التوسع باكل الحرام والشبهة [1]
اوپر کی تشریح میں ترجمہ کی بات آچکی ہے۔

اور اجرة الخدمة کا وصول کرنا مذکورہ ضرورتوں میں سے قسمِ اول میں داخل نہ ہونا بالکل واضح ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ قسمِ ثانی ضرورة بمعنی حاجت

---

[1] حموی علی ہامش الاشباہ والنظائر ص۱۰۸

میں داخل ہو سکتا ہے۔
اور اس کی وجہ سے اجرۃ الخدمۃ جیسے امرِ ممنوع کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے۔؟
نیز اگر ضرورت کی قسمِ اوّل میں داخل مان لی جائے۔ اور اس قسم کی ضرورت کی وجہ سے گنجائش قرار دی جائے تب بھی اس کے نقصانات سے حفاظت کے لئے کوئی مفر نظر نہیں آتا۔ اس لئے کہ عوام النّاس ضرورت کے درجات میں کوئی فرق نہیں کریں گے۔ اور معمولی معمولی بہانوں سے اپنی غرض پوری کرنے کی فکر میں ہوں گے۔ اس لئے اجرۃ الخدمۃ کے جواز کی کوئی راہ نہیں نکلتی۔
نیز اس طرح کا معاملہ شرعًا اجارۂ فاسدہ میں داخل ہے۔

ولو استقرض دراھم وسلم حمارہٗ الی المقرض لیستعملہٗ الیٰ شھرین حتّٰی یوفیہٗ دینہٗ اودارہٗ لیسکنہا فھو بمنزلۃِ الاجارۃِ الفاسدۃِ[۱]

اگر کسی نے چند دراہم قرض میں لیا ہے اور اپنا گدھا قرض خواہ کو اسلئے دیتا ہے تاکہ وہ دو ماہ تک اس کو استعمال کرے یہاں تک کہ قرض وصول کرے۔ یا اپنا مکان دیا ہے کہ اس میں قرض خواہ رہائش اختیار کرے تو وہ اجارۂ فاسدہ کے درجہ میں ہے۔

سرمایہ کو تجارت میں لگانے کا حکم

ادارہ کی جائز آمدنی سے تجارت کرنا اور اس کے منافع کو ادارے کے اخراجات میں صرف کرنا بلا تردّد جائز ہے۔ اور جو رقم رفاہی اداروں میں جمع

---

[۱] شامی کراچی ج ۶ ص ۴۸۶۔

ہوتی ہے اس کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں۔

(۱) اگر بلا تعدّی ہلاک ہو جائے اور ادارہ اس کا تاوان ادا نہیں کرتا ہے تو ایسی صورت میں جمع شدہ رقم اور سرمایہ امانت کے حکم میں ہو گا۔ اور شرعًا امانت کی رقوم کو مالک کی اجازت کے بغیر تجارت میں لگانا جائز نہیں ہے۔ اس کے باوجود اگر تجارت میں لگا کر مخلوط کر دی جائے تو وہ امانت ضمانت بن جائے گی۔ اور اس کی آمدنی اور خسارے سب کا تعلق ادارے کے ساتھ ہو گا۔ نیز امانت میں تعدّی کی وجہ سے ادارے کا ذمّہ دار گنہگار ہو گا۔ اور اگر مالک کی اجازت سے تجارت میں لگائی جائے تو شرعًا مالک بھی ادارے کے ساتھ شرکت املاک کے طور پر شریک ہو جائے گا۔ اور نفع و نقصان میں مالک و ادارہ دونوں برابر کے شریک ہوں گے۔ اور نفع میں سے ہر فریق کے لیے مقدار بھی متعین ہونا لازم ہے۔

وکذا لو خلطها المودع بماله بغير اذن المالك بحيث لا تتميز ضمنها وان باذنه اشتركا شركة املاك[1]	اور ایسا ہی اگر امین نے امانت کو اپنے مال کے ساتھ مالک کی اجازت کے بغیر اس طرح مخلوط کر دیا ہے کہ کوئی امتیاز نہیں

ہو سکتا ہے تو امین اس کا ضامن ہو جاتا ہے اور اگر مالک کی اجازت کے ساتھ کرتا ہے تو مالک اس مال میں شرکت املاک کے طور پر مالک ہو جائے گا۔

---

[1] تنویر الابصار مع الدر المختار کراچی ص ۶۶۸ / ج ۵

حیثیت :۔ (۲) ادارہ پوری طرح ذمہ داری لیتا ہے، اور بلا تعدی ہلاکت کی صورت میں بھی ادارہ اس کا تاوان ادا کرتا ہے تو ایسی صورت میں جمع شدہ رقم بحیثیت امانت نہیں ہوتی بلکہ بحیثیت ضمانت اور قرض ہو جاتی ہے۔ اور ضمانت و قرض کی رقوم کو تجارت وغیرہ میں صرف کرنا اور اس سے آمدنی حاصل کرنا ادارہ کے لئے بلا کراہت جائز اور درست ہے، لیکن اس صورت میں خسارہ کا ذمہ دار بھی ادارہ ہی ہو گا۔ اور مالک خسارہ کا ذمہ دار ہرگز نہیں ہو گا۔

ولو استقرض فلوسا فکسدت فعلیہ مثلہا (الی قولہ) ان الواجب فی القرض رد مثل المقبوض الخ [۱]

اور اگر کچھ پیسے قرض میں لے لیا ہے پھر اس کا رواج ختم ہو جائے تو مقروض پر اس کا ہم مثل واجب ہوتا ہے۔ اس لئے کہ قرض میں مقبوض کی مثل ہی واپس کرنا واجب ہوتا ہے۔

فارم اور معاہدہ نامہ کی فروخت کے جواز پر پانچ دلیلیں۔

ضروری اخراجات کے پیشِ نظر قرض گیرندگان کے ہاتھ حصول قرض کے فارم اور معاہدہ نامے کو فروخت کرنا اور ان لوگوں سے طے شدہ قیمت وصول کر کے اس کو ادارہ کے واقعی اور ضروری اخراجات میں صرف کرنا شرعاً جائز اور درست ہو گا۔ اور یہ "کل قرض جر منفعۃ فہو ربا" کے تحت میں داخل ہو کر ناجائز اور حرام

---

[۱] بدائع الصنائع ص ۳۹۵ ج ۷

نہ ہوگا۔ اور اس دعوے پر ہم پانچ دلیلیں پیش کرتے ہیں۔

دلیل ۱ :- اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر آیتِ مداینت میں معاملۂ قرض کے معاہدہ نامہ لکھوانے اور اس کے اخراجات کا ذمہ دار مستقرض کو قرار دیا ہے اور اجرتِ کتابت کی مقدار متعین نہیں فرمائی ہے۔ بلکہ آیت کریمہ کے سیاق وسباق نے عاقدین کی آپسی تراضی پر سونپا ہے۔

وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ الآیۃ[1] اور (کاتب کو) وہ شخص لکھوا دے جس کے ذمہ وہ حق واجب ہو۔

اور کاتب کو اُجرت دینے میں اتنی کوتاہی بھی نہیں کرنی چاہیئے جس سے اس کی ضرورت پوری نہ ہونے کی وجہ سے وہ تنگی میں پڑجائے۔ چنانچہ فرمایا:

وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيدٌ الآیۃ[2] معاہدہ نامہ لکھنے والے اور معاملہ کے گواہ کو نقصان و گھاٹے میں نہ رکھنا چاہیئے۔

مذکورہ نصِ قرآنی سے واضح ہوتا ہے کہ فارم اور معاہدہ نامہ کی قیمت وصول کرنا ادارہ کے لئے جائز اور درست ہے۔

دلیل ۲ :- اگر اس کو بیع عینہ قرار دیا جائے تو اس میں حضرت امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے درمیان اختلاف ہے۔ حضرت امام ابویوسفؒ کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں بیع عینہ کا رواج تھا اور اس کو کوئی مذموم نہیں سمجھتا تھا۔

---

[1] سورۂ بقرہ آیت ۲۸۲ [2] سورۂ بقرہ ص۲۸۶

یہاں تک کہ اگر کسی معمولی سے کاغذ کو ایک ہزار میں فروخت کیا جائے تو وہ بھی جائز ہے۔ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک یہ بیع مکروہ تحریمی ہے۔ اور آپ فرماتے ہیں کہ میرے قلب میں اس بیع کا مذموم ہونا مثل جبل کے جم چکا ہے۔ اس کو اہل ربا نے گھڑ کر رواج دیا ہے۔

وقال ابو یوسفؒ لا یکرہ ھٰذا البیع	اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا بیع عینہ بلا کراہت
لانہ فعلہ کثیر من الصحابۃ وحمدوا	جائز ہے اس لئے کہ بہت سے صحابہؓ نے اس
علیٰ ذالک ولم یعدوہ من الربٰوا حتی	کو اختیار فرمایا ہے اور اس کی تعریف کی ہے
لو باع کاغذۃً بالفٍ یجوز ولا یکرہ	اور اس کو ربا میں شمار نہیں فرمایا ہے۔ حتی کہ
وقال محمدؒ ھٰذا البیع فی قلبی کامثالِ	اگر کوئی ایک ہزار میں ایک کاغذ کو فروخت
الجبالِ ذمیمٌ اخترعہ اکلۃ الرّبا۔[1]	کرتا ہے تو بھی جائز ہے اور مکروہ نہیں ہے۔

اور امام محمدؒ نے اس عقد کے بارے میں فرمایا کہ میرے دل میں اس کی مذمت پہاڑ کی طرح جم گئی ہے اس کو سود کھانے والوں نے گھڑ لیا ہے۔

جب مسئلہ مذکورہ کے بارے میں اساطینِ امت کے درمیان جواز و عدمِ جواز میں اختلاف ہے تو حضرت امام محمدؒ کے قول کو پیش نظر رکھتے ہوئے عدمِ جواز کو اختیار کرنا احوط ہوگا۔ لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کرتے ہوئے اگر جواز کے پہلو کو اختیار کیا جائے تو امتِ مسلمہ میں سے ایک

---

[1] فتح القدیر ص ۲۱۲/۶، شامی کراچی ص ۳۲۵/۵

جم غفیر کو سودی معاملہ میں مبتلا ہونے سے روکا جا سکتا ہے۔ اس لئے ادارہ کے اپنے پیر پر کھڑے ہونے تک حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کرنا جائز اور مستحسن ہوگا۔ مگر ادارہ جب خود مختار ہو جائیگا تو پھر احتیاطاً حضرت امام محمدؒ کے قول پر عمل کرنا مناسب ہوگا۔

دلیل ۳: شریعت اسلامی میں ایسا قرض ناجائز ہے جو اپنے ضمن میں منفعت کو کھینچ کر لاتا ہے، اور ایسی بیع ناجائز اور مذموم نہیں ہے جس میں منفعت شامل ہو، بلکہ بیع و تجارت کا اصل مقصد منفعت ہی ہوتی ہے۔ اور مذکورہ معاملہ میں حاصل شدہ منفعت کل قرضٍ جرَّ منفعۃً کے تحت داخل نہیں ہے۔ بلکہ کل بیعٍ جرَّ منفعۃً کے تحت داخل ہے۔ اور اسی کو مشائخ بلخ میں سے حضرت امام محمد بن سلمہؒ نے اختیار فرمایا ہے:

وابن سلمۃؒ یقول ھٰذا لیس بقرضٍ جرَّ منفعۃً بل ھٰذا بیع جرَّ منفعۃً وھی القرض الخ [1]

اور حضرت علامہ محمد بن سلمہؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایسا قرض نہیں ہے جو نفع لاتا ہو بلکہ ایسی بیع ہے جو قرض کی شکل میں نفع لاتی ہو۔

ربا اور سودی معاملات کے سدباب کے لئے حضرت امام محمد ابن سلمہؒ کے قول پر عمل کرنے میں کوئی قباحت نہ ہونی چاہیئے بلکہ مستحسن ہونا چاہیئے۔

دلیل ۴: جن لوگوں کے نزدیک ناجائز اور مکروہ ہے ان کے یہاں بھی عدمِ جواز کے لئے مجلس واحد اور صفقۂ واحدہ ہونا شرط ہے۔ اور اگر صفقہ واحد

---

[1] شامی کراچی ص ۱٦۷ ج ۵

نہ ہو بلکہ الگ الگ دو معاملے ہوں تو ان کے یہاں بھی ناجائز اور مکروہ نہیں ہے۔[1]

لہٰذا اگر رفاہی اداروں میں شئی مرہون جمع کر کے قرض دینے والا الگ سے مستقل آدمی ہو۔ اور فارم فروخت کر کے اس کی قیمت وصول کرنے والا مستقل دوسرا آدمی ہو تو قرض گیرندگان سے فارم اور معاہدہ نامے وغیرہ کی قیمت وصول کر کے ادارے کے اخراجات میں صرف کرنا بلاشبہ وبلاکراہت جائز ہوگا۔

وفیھا شراء الشئ الیسیر بثمن غالٍ لحاجۃ القرض یجوز ویکرہ وتحتہ فی الشامیۃ یکرہ لو کان فی مجلسٍ واحدٍ والا فلا باس بہ لان المجلس الواحد یجمع الکلماتِ المتفرقۃ فکانھما وجدا معًا فکانت المنفعۃ مشروطۃ فی القرض الخ[2]

اور ان میں سے قرض کی ضرورت کی وجہ سے بھاری قیمت میں معمولی شئی کو خریدنا مع الکراہت جائز ہے۔ اور شامی میں ہے کہ اگر ایک ہی مجلس میں ہو مکروہ ہے۔ ورنہ اگر متعدد مجلس ہو تو مکروہ نہیں ہے اسلئے کہ ایک مجلس متفرق کلمات کو جمع کرنے والی ہے تو گویا کہ دونوں معاملہ ایک ساتھ پایا گیا تو قرض میں نفع کی شرط کے درجہ میں ہوگا۔

دلیل ۵:۔ اگر فارم وغیرہ کی فروختگی کو کل قرضٍ جرّ منفعۃً فھو ربًا (الحدیث) کی ممانعت سے بچنے کے لئے حیلہ قرار دیا جائے گا تو پھر بھی سودی معاملات کے سدِ باب اور مسلمانوں کو سود کی لعنت سے بچانے کے لئے یہ حیلہ جائز ہونا

---

[1] مستفاد فتاوی محمودیہ ج ۱۴ ص ۲۲۶، [2] در المختار مع الشامی کراچی ج ۵ ص ۱۶۷

چاہیئے۔ اس لیئے کہ حضرات فقہاء کرام نے حرام اور معصیت سے حفاظت اور حلال تک رسائی کے لئے حیلہ کو جائز اور مستحسن قرار دیا ہے۔ اور یہاں پر بھی اس حیلہ کو جائز قرار دیکر اس پر عمل کرنے کی صورت میں بہت سے مسلمان عین سود کی لعنت سے محفوظ ہوجائیں گے۔ اس لئے یہ حیلہ وقت ضرورت تک جائز ہونا چاہیئے۔ وکل حیلۃٍ یحتال بہا الرجل لیتخلص بہا عن حرامٍ اولیتوصل بہا الی حلالٍ فہی حسنۃ [له] اور ہر وہ حیلہ جس کے ذریعہ حرام سے بچکر حلال تک رسائی ہوتی ہے وہ مناسب ہے۔

اب اخیر میں مشورہ یہ ہے کہ چونکہ مسئلہ اختلافی ہے۔ اور کسی قدر ضرورت کی بناپر فارم وغیرہ کی قیمت وصول کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ ادارے کو اتنی وسعت عطا کردے کہ فارم وغیرہ کی قیمت لئے بغیر ادارے کے اخراجات بآسانی پورے ہونے لگیں تو فارم وغیرہ بلا قیمت دیدینا چاہیئے۔ اور مدت پوری ہونے کے بعد دوبارہ توسیع مدت کے فارم فروخت کرکے رقم وصول کرنا جائز نہیں ہے۔

اشیاء مرہونہ کی اجرۃ الحفظ کا حکم

غیر سودی رفاہی اداروں کے لئے اشیاء مرہونہ کی حفاظت کا صندوق لاکر مکان وغیرہ کا کرایہ راہن سے وصول کرنا جائز ہے یا نہیں، تو اس سلسلہ میں

[له] فتاوی عالمگیریہ ص۳۹۰/۶ عمدۃ القاری لصحیح البخاری ص۱۰۱/۲۴

حضراتِ فقہاء کا اختلاف ہے۔ ظاہر الروایہ کے مطابق اشیاءِ مرہونہ کی حفاظت مرتہن (ادارے) پر لازم ہے۔ اور حفاظت کا کرایہ وصول کرنا کل قرضٍ جرّ منفعۃً فھو ربًا کے تحت داخل ہو کر ناجائز اور حرام ہوگا۔ نیز اگر حفاظت کے لئے مکان، صندوق، لاکرس وغیرہ کرایہ پر لینا پڑے، اور اسی طرح کی حفاظت کے لئے ملازم رکھنا پڑے تو سب کی اُجرت اور کرایہ وغیرہ کی ذمہ داری مرتہن (ادارے) پر لازم ہوگی۔ راہن اور مستقرض پر کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی۔ [۱]

واجرة البيت الّذي يحفظ فيه الرهن على المرتهن وكذلك اجرة الحافظ والرّاعي (هداية) وكلّ ما كان لحفظه اولردّه الى يد المرتهن اولردّ جزء منه فهو على المرتهن مثل أجرة الحافظ (الى قوله) وكذلك أجرة البيت الّذي يحفظ الرهن فيه وهذا في ظاهر الرّواية الخ [۲]

رہن کی حفاظت کے مکان کی اجرت مرتہن پر لازم ہے۔ اور ایسا ہی حفاظت کرنے والا اور چرواہا کی اُجرت اور ہر حفاظت کے آلہ کی اُجرت اور مرتہن کے پاس لانے کی اُجرت اور اس میں سے کچھ واپس کرنے کی اُجرت مرتہن پر ہے مثلاً حفاظت کرنیوالے کی اُجرت اور اسی طرح اس لاکر کی اُجرت جس میں رہن محفوظ ہو۔ یہ ظاہر الروایۃ کے مطابق ہے۔

---

[۱] فتاویٰ احیاء العلوم ص۵۱۲ ج۱، امداد الفتاویٰ ص۴۵ ج۳، کفایت المفتی ص۱۲۷ ج۷۔ فتاویٰ محمودیہ ص۲۷ ج۴، فتاویٰ مظاہر علوم ص۱۸۷ ج۱ [۲] ہدایہ ص۵۰۰ ج۴، البحرالرائق ص۳۳۱ ج۸

اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اشیاء مرہونہ کی حفاظت کا مکان صندوق، لاکر س وغیرہ سب کی ذمہ داری راہن پر لازم ہوتی ہے۔ لہٰذا ان چیزوں کا کرایہ وصول کرنا مرتہن ادارے کے لئے جائز ہوگا۔ اور رفاہی ادارے کی ضرورت کے لئے حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کرنا جائز ہونا چاہیئے

وعن ابی یوسف ان کراء المأوی علی الراھن بمنزلۃ النفقۃ ۱؎

اور حضرت امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ حفاظت کی جگہ وآلہ کی اُجرت راہن پر لازم ہے جیساکہ مالِ مرہون کا نفقہ راہن پر ہوا کرتا ہے۔ مگر فیصد کے حساب سے اُجرۃ جائز نہیں

مستقل امانت کی حفاظت کے کرائے کا جواز

مستقل امانت کی حفاظت کا کرایہ وصول کرنا شرعاً جائز ہے۔

المودع اذا شرط الاجرۃ للمودع علی حفظ الودیعۃ صح ولزم علیہ الخ ۲؎

ودیعت رکھنے والے نے جب ودیعت کی حفاظت کرنے والے کے لئے اُجرت کی شرط لگائی ہے تو یہ شرط صحیح اور اُجرت لازم ہوجاتی ہے۔

لیکن اگر بلا تعدی ہلاک ہوجائے تو امین پر تاوان لازم ہوگا یا نہیں؟ تو یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ اس سلسلہ میں بعض فقہاء کا قول یہی ہے کہ امین پر تاوان واجب ہوگا۔ اور بعض فقہاء کا قول اس پر ہے کہ امین پر تاوان واجب نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اس صورت میں امین اجیر مشترک بن چکا ہے۔ اور اجیرِ

۱؎ ھدایہ ص ۵۰۰ ج ۴ ۲؎ فتاوی عالمگیریہ ص ۳۴۲ ج ۴

مشترک پر بلا تعدّی ہلاکت کا تاوان واجب نہیں ہوتا ہے۔ اور یہی مفتیٰ بہ قول ہی ہے۔ اس لئے بلا تعدّی ہلاکت کا تاوان ادارے پر لازم نہ ہوگا۔

فلا تضمنُ بالھلاك الّا اذا كانت الودیعۃ باجرٍ و فی الشامیۃ و امّا من جری العرف بانہ یاخذ فی مقابلۃ حفظہ اجرۃ یضمنُ لانّہٗ ودیعٌ باجرۃٍ لکنّ الفتوٰی علی عدمہٖ۔[1]

ودیعت کے ہلاک ہونے پر ضمان واجب نہیں ہے الّا یہ کہ ودیعت کو اُجرت کے ساتھ رکھا گیا ہو۔ اور شامی میں ہے کہ جب لوگوں کے درمیان عرف یہی ہو کہ حفاظت کے مقابلہ میں اُجرت لی جاتی ہے تو ضامن ہوجائیگا۔ اس لئے کہ اُجرت کے ساتھ ہی ودیعت رکھی گئی ہے لیکن مفتیٰ بہ قول عدم ضمان پر ہے۔

بیع الحاکمیہ اور میعادی چیک کی خریداری کا عدمِ جواز

ضرورت مند حضرات سے میعادی چیک کا اس طریقے سے خریدنا کہ کسی کو رقم وصول کرنے کا چیک دو ماہ کی میعاد کے ساتھ مقید شدہ حاصل ہوجائے لیکن اس کو فوری رقم کی ضرورت ہے تو وہ مجبور ہوکر ہزار روپیہ کا چیک نوسو روپے میں فروخت کرتا ہے اور رفاہی ادارہ یا کوئی اور شخص اس کو نوسو روپے نقدی دے کر خرید تا ہے۔ اور میعادِ معینہ پر چیک داخل کر کے ہزار روپیہ وصول کرتا ہے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ تو اس طرح

---

[1] الدر المختار مع الشامی ص۶۶۲ ج۵

ضرورت مندوں سے میعادی چیک کا خرید نا بظاہر بیع الجامکیہ کے مرادف ہے۔ اور بیع الجامکیہ کی صورت یہ ہے کہ حکومت کے ملازم یا صاحب وظیفہ جس کو حکومت کی طرف سے میعادِ مقررہ پر تنخواہ یا وظیفہ ملتا ہے، اس کو مقررہ وقت سے پہلے کوئی دوسرا آدمی کم پیسے میں خرید لے، اور خریدار وقت مقررہ پر اس کو حاصل کرلے تو حضرات فقہاء کرام نے اس طرح کی خرید و فروخت کو ناجائز کہا ہے۔ اس لئے رفاہی ادارے کے لئے مذکورہ طریقہ پر چیک کی خریداری اور اس کے منافع حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ [۱]

اس لئے مسلمانوں کو اس قسم کے معاملہ سے احتراز کرنا لازم ہے۔

وافتی المصنف ببطلان بیع الجامکیۃ الخ وتحتہ فی الشامیۃ وعبارۃ المصنف فی فتاواہ سئل عن بیع الجامکیۃ وھو ان یکون لرجل جامکیۃ فی بیت المال ویحتاج الیٰ دراھم معجّلۃ قبل ان تخرج الجامکیۃ فیقول لہٗ رجل بعنی جامکیتك التی قدرھا کذا بکذا انقص من حقہ فی الجامکیۃ فیقول لہٗ بعتك فھل البیع المذکور صحیح ام لا لکونہ

اور مصنف نے بیع جامکیہ کے بطلان پر فتویٰ دیا ہے، اور بیع الجامکیہ کے متعلق سوال کیا گیا۔ اور وہ یوں ہے کہ کسی شخص کا بیت المال میں وظیفہ ہے اور وہ فوری طور پر وظیفہ وصول ہونے سے پہلے پیسوں کا محتاج ہے تو ایک شخص نے اس سے کہا ہے کہ تم اپنا وظیفہ اصل مقدار سے کم میں میرے ہاتھ فروخت کردو۔ تو وہ کہتا ہے کہ میں نے بیچ دیا تو بیع مذکور صحیح ہے یا نہیں۔ کہ اس دین کی بیع نقد

[۱] غایۃ الاوطار ص۱۰۱ ج۳

بیع الدین بنقدٍ اجاب اذا باع الدین من غیر من هو علیہ کما ذکرلا یصح[1]

کے عوض میں ہے تو جواب دیا کہ جب غیر مقروض کے ہاتھ فروخت ہو جائے تو صحیح و جائز نہیں ہے۔

فکسڈ ڈپازٹ میں رکھنا اور اس سے ملنے والی رقم کا حکم

رفاہی اداروں کی رقم بغرضِ حفاظت سرکاری بینک میں رکھنا بہرحال جائز ہے۔ لیکن فکسڈ ڈپازٹ کھاتے میں رکھنا اور جمع شدہ رقم سے زائد رقم حاصل کرکے ادارے میں خرچ کرنا قطعی حرام اور ناجائز ہے۔ اس لئے کہ۔ فکسڈ ڈپوزٹ کھاتے میں رکھنا بھی بنصِ حدیث جابر رضی اللہ عنہ مستحقِ لعنت ہوگا۔ کیونکہ اس کھاتے میں رکھنے کا مقصد ہی سود حاصل کرنا ہوتا ہے۔ ورنہ بینک میں اور بھی بہت سے کھاتے ہیں جن میں رکھنے سے بہت کم سود ملتا ہے یا بالکل ہی نہیں ملتا۔ اس لئے ایسے کھاتے میں جمع کرنا بھی جائز نہ ہوگا۔ نیز فکسڈ ڈپازٹ کھاتہ یا کسی اور انواع کے کھاتے میں رکھنے کے نتیجہ میں جو زائد رقم ملتی ہے اس کو ادارہ کی ضرورت یا اس کی تجارتی اسکیم وغیرہ میں لگانا ہرگز جائز نہ ہوگا۔ اس لئے کہ یہ زیادتی بالکل زمانۂ جاہلیت کے ربا سے ملتی جلتی ہے۔ تفسیر کبیر میں امام رازیؒ فرماتے ہیں:

اما ربا النسیئۃ فھو الامر الذی کان مشھورًا متعارفًا فی الجاھلیۃ

اور بہرحال ربا النسیئۃ وہ زمانۂ جاہلیت میں مشہور و معروف تھا۔ اور وہ اس طرح

---

[1] الدر المختار مع الشامی کراچی ج۵ ص۱۵۲ والتفصیل فی اعلاء السنن ج۱۴ ص۲۲۴

وذٰلك انھم کانوا یدفعون المال	ہے کہ وہ لوگ اس شرط پر مال دیا کرتے
علیٰ ان یاخذ کل شھر قدراً	تھے کہ ہر ماہ ایک مقدار منافع کے طور
معیّنًا و یکون راس المال باقیاً	پر لیا کریں گے اور رأس المال اسی جگہ
ثمّ اذا حل الدّین طالبوا المدیون	باقی رہے گا، پھر جب مدت پوری ہو جائے
براس المال فان تعذر علیہ	تو رأس المال کا مطالبہ کیا جاتا، اگر مدیون
الاداء زادوا فی الحق و الاجل	ادا کرنے سے معذور ہو جائے تو مدت
فھٰذا ھو الرّبا الّذی کانوا فی	بڑھا دیتے اور اس پر شرح سود بھی متعین
الجاھلیّۃ یتعاملون بہٖ [1]	کر دیا کرتے تھے۔ اور یہی زمانۂ جاہلیت کا

سودی کاروبار مشہور و معروف رہا ہے۔

اس لئے فکسڈ ڈپازٹ میں رکھنا ہرگز جائز نہ ہوگا۔ البتہ ٹیکس کی بچت کے لئے رکھنا جائز ہے، جس کی تفصیل اسی رسالہ کے ص ۹۹ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

فقط واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم و ہو الموفق والمعین۔

کتبہ شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ

---

[1] تفسیر کبیر ص ۹۱/۷